کریمی دارالکتب کراچی

اللھم
بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

بسلسلہ مشکوٰۃ نبوت

اِصلاحی دُروس
جلد سوم

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرلمی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

نام کتاب:۔ اصلاحی دروس جلد سوم

افادات حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب

باہتمام:۔ عاصم برادران سلمہم الرحمٰن

صفحات:۔ 336

سن طباعت:۔ مارچ 2018

تعداد:۔ 1,100

قیمت:۔

کمپوزنگ: عمار حمید

کراچی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

asim@JamiaHammadia.com

www.JamiaHammadia.com

اجمالی فہرست

اِصلاحی دُروس

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے پروردگار کا کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حماد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ دبانی و مہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی) کے بیانات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، رسائل کی شکل میں شائع ہو رہے ہیں۔ اب ان رسائل کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس کی جلد دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

پھر میں خصوصی شکر گزار ہوں استاد العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس سرہ) کا جنھوں نے اس کام میں میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر موقع پر مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر ہمارے اوپر قائم رکھے آمین۔

آخر میں میں اپنے ان محبین و مخلصین دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی طور پر شریک ہوئے اور میرے ساتھی ومعاون بنے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔

محتاج دعا: عاصم عبداللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

اتباعِ سنّت اور راہِ نجات

اتباعِ سنّت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

اسلامی آدابِ زندگی

معاشرتی زندگی کے اسلامی آداب

عظمتِ قرآن اور آدابِ تلاوت

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کی بات

عاصم عبداللہ بن حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ ملک اور بیرون ملک کی ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت تھے، اور ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''جامعہ حمادیہ'' شاہ فیصل کالونی کراچی کے بانی ومہتمم کے علاوہ کئی مدارس ومساجد کے سرپرست بھی رہے بحمد للہ اہل علم میں ایک خاص مقام تھا۔

حضرت والد صاحب ؒ کا شمار شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے شاگرد خاص اور قطب الاقطاب حضرت حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اور اخص الخاص خلفاء میں ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحب ؒ جب تک اس دنیاء فانی میں رہے تواضع اور اخفاء کے ساتھ رہے لیکن اس کے باوجود کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت، شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر فائز فرمایا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو درس قرآن اور درس حدیث اور دیگر اصلاحی موضوعات

پر بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا، آپ کا یہ بیان جامعہ حمادیہ میں ہو یا جامع مسجد حفیظیہ میں یا علاقے اور شہر کی کسی مسجد میں ہو، یا کسی عام جگہ پر ہو لوگ دور دور سے ان بیانات کو سننے کیلئے آتے تھے۔

آپ کے یہ بیانات عوام اور خواص دونوں کے لئے تریاق ثابت ہوا ہے اور اس سے سینکڑوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں آئیں جن کے چہروں پر داڑھیاں نہ تھیں انہوں نے سنت کے مطابق داڑھی رکھ لی اور حرام آمدن والوں نے حلال ذرائع آمدن اپنا لئے، جن کا گھریلو ماحول بے دینی کا تھا، انہوں نے اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینی شروع کر دی۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی بات سننے والوں کے دل میں اترتی چلی جاتی تھی سننے والا اپنے اندر ایمانی حلاوت محسوس کرتا تھا حضرت والد صاحبؒ کے بیانات میں جو تاثیر تھی اور جو خیر و برکت تھی اسکی ایک وجہ تو حضرت والد صاحبؒ کی للّٰہیت اور خلوص تھا اور دوسری وجہ الفاظ میں نہ کوئی تصنع اور نہ کوئی بناوٹ سہل ترین الفاظ آپکے بیانات کا حصہ ہوتے تھے۔

بعض احباب حضرتؒ کی ان تقاریر کو کیسٹ میں محفوظ کر کے مستفید ہوتے رہے الحمد للہ ان کیسٹوں کا خاطر خواہ ذخیرہ محفوظ ہے، جسے

کمپیوٹر میں بھی محفوظ کیا جاچکا ہے، اوراب بحمداللہ اصلاح وتربیت کا یہ عظیم خزانہ کاغذوں پر بھی منتقل کیا جارہا ہے۔

جب یہ تحریری افادات سینکڑوں صفحات میں محفوظ ہوگئے تو حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے بہت سے قریبی احباب نے بااصرار مشورہ دیا کہ ان افادات کو جومختلف موضوعات پر ہیں عنوانات کے تحت مرتب کر کے رسائل کی صورت میں شائع کیا جائے، تاکہ ان کا فائدہ عوام الناس کو پہنچے، مجھے انکی رائے بہت پسند آئی، پھر اس پر دلجمعی کے ساتھ کام شروع کردیا گیا۔

بحمداللہ ہر سال تقریباً پانچ سے چھ کتابچے تیار ہوکر چھپ کر منظر عام پر آجاتے ہیں، متعدد کتابچے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں اول تا آخر خود ملاحظہ فرمائے، خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، دل سے پرخلوص دعاؤں سے نوازا، وہی دعائیں آج میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

فی الحال حضرت نوراللہ مرقدہ کے درسِ حدیث کے سلسلے "مشکوٰۃ نبوت" کو جو ماہنامہ الحماد میں ہر ماہ شائع ہوتا رہا موضوع کی مناسبت سے "کریمی دارالکتب" کی طرف سے اِسے کتابچے شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

بحمداللہ اب تک تین درجن سے زائد کتابچے شائع ہوچکے ہیں جو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

اب محبین و مخلصین کے اصرار پر ان مطبوعہ رسائل کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بنام ''اصلاحی دروس'' شائع کر رہے ہیں، جس کی پہلی اور دوسری جلد بحمد اللہ گزشتہ سال طبع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسکی تیسری اور چوتھی جلد پیش خدمت ہے، بقیہ جلدوں کی تیاری کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے جس کی تکمیل کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ امت کو اس مفید سلسلے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونیکی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری مغفرت ونجات اور حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عاصم عبداللہ

استاد و مفتی جامعہ حمادیہ کراچی

۱۳/ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

مطابق ۱۰/ مارچ ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ تحریر

استاذ العلماء والمشائخ، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹہ سندھ

خلیفہ مجاز

حضرت اقدس، ولی کامل، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حامداً او مصلیاً و مسلماً

امابعد!

ہمارے شیخ، مرشد الامہ، مصلح الکل، فنافی اللہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت اقدس مولانا عبدالواحد رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ونور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت، کتاب وسنت کی اتباع واطاعت علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور اصلاح امت کے لیے وقف تھی۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، دفتر میں، گھر میں، عوام

میں،خواص میں ،خلوت میں،جلوت میں الغرض ہرحال و ہرمقام پر کتاب وسنت پر عمل خلقت الٰہی کی کتاب وسنت کی طرف رہنمائی دین کی نشرواشاعت اورقرآن وحدیث کی تفسیر تشریح وتوضیح آپؒ کا محبوب وحسین شغل تھا. شہرت جاہ، ریا اور دکھلاوے سے شدید نفرت اور گمنامی تواضع ،انکساری سے رغبت کی وجہ سے آپؒ کے فیض ومعرفت کو عام کرنا اورمشہور کرنا آپؒ کی حیات طیبہ میں محال وناممکن اقدام تھا۔

آپؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب زیدمجدھم وبورک فی عِلمِہم وَعملم استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ (جوعلم وعمل میں آپؒ کی ہوبہو تصویر اور آپؒ کی حسن تربیت کے حسین شگوفے، ونمونے ہیں۔آپؒ کے شرعی وقانونی وارث وجانشین ہیں) نے 1995ء سے آپؒ کی مشروط ومحدود اجازت کے ساتھ آپؒ کے درسِ قرآن درسِ حدیث ،جمعے کے بیانات اوراصلاحی مجالس کے مواعظ وتقاریر کو محفوظ کرنے اور مضامین کے شکل میں ماہنامہ الحماد ،اور مستقل رسائل کی زینت بنانے کے کارخیر کا آغاز فرمایا۔حضرتؒ نے محتاط طریقہ سے بذات خود نظر ثانی فرمانے کے بعد شہرت سے نفرت اور ریا کے خوف سے محدود حد میں اجازت عنایت فرمائی،حضرتؒ کے وصال کے بعد مکمل اتفاق ومشاورت

اور میرے شدید اصرار کے تحت حضرت مفتی صاحب زید مجدھم کو آپ ؒ کی مسند خلافت تفویض ہوئی اس کے بعد سے ہر ملاقات میں حضرت مفتی صاحب پر یہ بارگراں اور یہ ذمہ داری ان کے دوش پر ڈالنے کی تاکید کرتا رہا ہوں کہ آپ نے حضرت ؒ کے علوم وفیوض کو جاری وساری رکھنا ہے اور جو سلسلہ 1995ء میں سنبھالا اور شروع کیا اسے کماحقہ حیاً ومیتاً باقی رکھنا ہے۔

سلسلے کے تمام معمولات اور حضرت ؒ کی حیات کے تمام مشاغل وفیوضات کی بھاری ذمہ داری کے ساتھ آپ ؒ کے فیوض وعلوم کی امت میں نشر واشاعت میں پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر قدم اٹھانا ہے اور آگے بڑھتے جانا ہے۔ ہماری دعائیں، محنتیں، وسائل اور مشورے آپ کے ہمقدم ہونگے ان شاء اللہ تعالیٰ

انتہائی خوشی ومسرت اور حمد وشکر کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحب زید فضلہم نے سلسلے کے معمولات کو کماحقہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس ؒ کے علوم وفیوض کے سلسلہ درسِ حدیث بعنوان ''مشکوٰۃ نبوت'' کے متعدد کتب ورسائل کو حتمی طباعتی مراحل میں لے آئے ہیں۔ الحمد للہ! اس وقت تک سلسلہ مشکوٰۃ نبوت کی دو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ کتب ورسائل چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم انہیں مطبوعہ رسائل مجموعہ کو کتابی شکل میں اصلاحی دروس کے نام سے شائع کررہے ہیں۔ بحمداللہ امسال گزشتہ اصلاحی دروس کی پہلی اور دوسری جلد شائع ہوچکی ہے، جوعوام وخواص کے حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔

پہلی جلد میں حضرت قدس اللہ سرہ کے درج ذیل دروس حدیث شامل ہیں۔

(۱) ایمان زندگی کے لئے ناگزیر ضرورت

(۲) ایمان کامل کے تقاضے

(۳) رمضان المبارک کی اہمیت، آداب ومعمولات

(۴) تجلیاتِ ذکر

(۵) دُعا، دنیاوآخرت کی کامیابی کا زینہ ہے

اور

دوسری جلدیں جلد میں درج ذیل دروسِ حدیث ہیں:

(۱) معاشرت زندگی کے سنہرے اصول

(۲) بدامنی اور خون ریزی اسلام کی روشنی میں

(۳) اسلام اور عدل وانصاف

(۴) دنیا کی حقیقت اور اعمال کی ضرورت

(۵) اسلام کے معاشرتی حقوق

(۶) درود شریف کے فضائل و برکات

اور اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم بحمداللہ اصلاحی دروس کی تیسری اور چوتھی جلد ہدیہ قارئین کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

(۱) اتّباعِ سنت اور راہِ نجات

(۲) اتّباعِ سنت اور صحابہ کرامؓ

(۳) اسلامی آدابِ زندگی

(۴) معاشرتی زندگی کے اسلامی آداب

(۵) عظمتِ قرآن اور آدابِ تلاوت

چوتھی جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) گناہوں سے توبہ کیجئے

(۲) استغفار کے فوائد و برکات

(۳) اچھے اخلاق اپنایئے

(۴) جمعہ کی اہمیت، فضیلت آداب اور معمولات

(۵) تواضع وانکساری کے فوائد و برکات

اللہ تعالیٰ حضرت والا قدس اللہ سرہ کے قیمتی دروس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہماری دعا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے جانشین وخلیفہ مجاز کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور صلاحیتوں میں ترقی نصیب فرمائے۔

اللهم وفقه لماتحب وترضىٰ من القول والفعل والعمل والنية والاخلاص.

محمد ابراھیم عفی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث ومہتمم
جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ
۱۳/ جمادی الاول ۱۴۳۹ھ
بمطابق ۱/۰ مارچ ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال وتاثرات

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
(جو حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تحریر فرمایا تھا)

اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم، انعام اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس ذاتِ عالی نے بچپن سے دینی ماحول، اور ایمانی مراکز سے میرا رشتہ ناطہ جوڑا، غربت میں رکھا، غریب الوطنی میں پھینکا، تن من دھن کی آسائشوں سے دور رہا مگر علمِ دین اور دولت ایمان سے آباد جھونپڑی نما خانقاہوں اور مراکزِ تعلیم سے وابستہ رکھا۔ جہاں مادّی وسائل اور آسائشیں نہ ہونے کے باوجود روحانی خوشحالی، سکون اور طمانینت کی وہ دولت میسر تھی جس کے لئے دنیا کے عظیم بادشاہ بھی ترستے اور تڑپتے چلے گئے۔

(والحمدللہ علی ذالک)

دارالعلوم دیوبند سے علمی سفر طے کرتے ہوئے جب ارضِ پاک میں داخل ہوا تو صوبہ سندھ کے ایک دور افتادہ، پسماندہ، گمنام بلکہ بے نام علاقہ ھالیجی شریف کے مقام پر قطب الاقطاب ولی کامل، جنیدِ دوران حضرت

مولانا حماد اللہ ھالیجوی قدس اللہ سرّہ العزیز کی قدموں میں جگہ ملی۔ جہاں کے چشمہ ٔفیض سے سیرابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنادیا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی دین کی خدمت اور دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے وقف ہوگئی۔

الحمدللہ زندگی کے اس دورانیئے میں جامع مسجد حفیظیہ میں درسِ قرآن ودرسِ حدیث اور اصلاحی مجلسوں اور نماز جمعہ سے قبل بیان کا سلسلہ اس کے علاوہ جامعہ حمادیہ اور علاقے کی دیگر مساجد میں بھی یہ تمام سلسلے جاری رہے، جسے بعض مخلص احباب نے اسے ٹیپ کیا اور پھر ان ٹیپ شدہ تقریروں اور بیانات کو قلم بند کروایا، اور پھر جب سے جامعہ حمادیہ کا ترجمان ''ماہنامہ الحماد'' کا اجراہوا تقریباً دوعشروں سے ماہنامہ الحماد کے کے صفحات پر ان دروس کو مستقل طور پر درسِ قرآن کو (نور ہدایت) اور درسِ حدیث کو (مشکوٰۃ نبوت) کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔

اور اب ضرورت اور اسکی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے برخوردار مفتی عاصم عبداللہ سلمہ استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ ودیگر متعلقین نے ''الحماد'' کے صفحات پر شائع شدہ ان مضامین کو کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے کئی کتابچے شائع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں جو میری نظروں سے بھی گزرے ہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ

برخوردار اور انکے معاونین نے بڑی محنت کی ہے اور ان مضامین میں ذیلی عنوانات لگا کر اسکی افادیت کو بڑھا دیا ہے مقصود فائدہ اور استفادہ ہے، مجھے اور شایع کنندگان کو دین کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا فائدہ ملے گا اور پڑھنے اور مستفید ہونے والوں کو اپنی زندگی دین وشریعت کے مطابق ڈھالنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا عظیم ثمرہ حاصل ہوگا!

دعا ہے کہ جیسا کہا ہے اور نیت کی ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرما دیں اور ہم سب کو اپنی رضا اور اخروی سرخروئی کی دولت مرحمت فرما دیں، اور اللہ تعالیٰ اسے پوری امت کیلئے نافع بنا دیں اور اسے شرف قبولیت سے نوازیں۔ (آمین یارب العالمین۔)

وصلى الله على نبيه خاتم النبين

عبد الواحد

انتساب

اُن عظیم مشفق و مُربی ہستیوں کے نام جو تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمام سنت واطاعت، اصلاح ظاہر وباطن، بے نفسی وفنائیت، اخلاص کامل وللّٰہیت، تفویض وتوکل، عشق رسول ﷺ کے پیکرِ مجسّم اور اکابرین علماءِ دیوبند کے مسلک اعتدال کی زبانِ ترجمان تھے، یعنی

شیخ العرب والعجم، سیدی وسندی

حضرت مولانا **حسین احمد مدنی** نوّر اللہ مرقدہٗ

اور مرشدی ومولائی ولی کامل

قطبُ الاقطاب حضرت مولانا

حمّادُ اللّٰہ ہالیجوی

رحمهم الله رحمةً واسعةً

اتباعِ سنت

اور

راہِ نجات

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذِ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

دین میں نئی بات نکالنا بدعت و گمراہی ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ
الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ
الْهُدٰي هُدٰي مُحَمَّدٍ ﷺ ، وَشَرُّ
الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ
ضَلَالَةٌ. (رواہ مسلم)

”حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اثنائے خطبہ) ارشاد فرمایا کہ: اما بعد... سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہتر طریقہ (اللہ کے رسول) محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کر لئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ لِلّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا مالم نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم. وعلی آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ.

(احزاب)

(۱) تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی بہترین نمونہ ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ. وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا. (الحشر ۷)

(۲) اور جو دے تم کو رسول ﷺ وہ لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی پابندی

اس دنیا سے رسول اللہ ﷺ کے رخصت ہوجانے کے بعد

آپ ﷺ کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی تعلیمات جن کا معروف عنوان ''سنت'' ہے اس دنیا میں ہدایت کا مرکز و سرچشمہ اور گویا آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کے قائم مقام ہیں، اور امت کی صلاح و فلاح، ان کی پیروی و پابندی سے وابستہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں امت کو مختلف عنوانات سے ہدایت و آگاہی دی ہے، اور محدثات و بدعات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے، اگلی امتیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے محدثات و بدعات کو اپنا دین بنالیا... اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے چند اہم ارشادات پیش کئے جارہے ہیں۔

سنّت کی اتّباع اور بدعات سے اجتناب کی تاکید

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ ﷺ ، وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلاَلَۃٌ. (رواہ مسلم)

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اثنائے خطبہ) ارشاد فرمایا کہ:

اما بعد... سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہتر طریقہ (اللہ کے

رسول) محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو
دین میں ایجاد کر لیئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔
(صحیح مسلم)

فائدہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح مسلم میں خطبہ جمعہ کے باب میں متعدد طرق واسناد سے روایت کی گئی ہے، روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، بہت مختصر الفاظ میں امت کو وہ ہدایت دے دی گئی ہے جو قیامت تک راہ راست پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے... اعتقادات، اعمال، اخلاق اور جذبات وغیرہ کے بارے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی ہدایت (امر بالمعروف یا نہی عن المنکر) کی ضرورت ہے، یقیناً کتاب اللہ اور سنت نبوی وطریق محمدی اس کے پورے کفیل ہیں، اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ اللہ ورسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا ان کو دین کا رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب ورضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنا لیا جائے۔

دین کے رہزن شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، پچھلی امتوں کو اس نے زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا ہے، مختلف امتوں کے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث اور حضرت مسیح کی ابنیت و ولدیت اور کفارہ کا عقیدہ اور احبار و رہبان کو اربابًا من دون الله بنانے کی گمراہی یہ سب اسی راستہ سے آئی تھیں... اور رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں، وہ سب آپ کی امت میں بھی آئیں گی اور انہی راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ اپنے مواعظ وخطبات میں بار بار یہ آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے، صرف وہی حق و ہدایت ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے، اور محدثات و بدعات سے اپنی اور دین کی حفاظت کی جائے۔ بدعت خواہ ظاہری نظر میں کیسی ہی حسین و جمیل معلوم ہو، فی الحقیقت وہ صرف ضلالت اور ہلاکت ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد جو بقول حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار فرماتے تھے، اس کا یہی پیغام ہے اور اس میں یہ آگاہی دی گئی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا آخری جملہ ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ.

''ہر بدعت گمراہی ہے''۔

بعض اکابر علماء و شارحین حدیث نے بدعۃ کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن و حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے، مگر دینی لحاظ سے وہ اشد ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء و فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو ''بدعت'' اور ناجائز نہیں قرار دیا، بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر و ثواب سمجھا ہے۔ مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں، اور قرآن و

حدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہئے، حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ان علماء وشارحین حدیث نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب وسنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ ''بدعت سیئہ'' ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

مطلب یہ ہے کہ ''ہر بدعت سیئہ'' گمراہی ہے۔

اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب وسنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ ''بدعت حسنہ'' ہے اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی مباح وجائز۔

پس قرآن مجید پر اعراب اور فصل ووصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث وفقہ کی تدوین اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف واشاعت اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں، اس طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی

بدعت حسنہ ہی کے قبیل سے ہے، ناجائز نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

لیکن علمائے محققین بدعت کی مذکورہ بالا تشریح اور حسنہ اور سیۂ کی اس تقسیم کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان و کفر اور صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کی طرح ''بدعۃ'' ایک خاص دینی اصطلاح ہے اور اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کو دینی رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور اگر وہ کوئی عمل ہے تو اس کو دینی عمل کی حیثیت سے کیا جائے اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح اس کو ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھا جائے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو، نہ کتاب وسنت کی نص، نہ قیاس اور اجتہاد و استحسان جو شریعت میں معتبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدعت کی اس تشریح کی بناء پر ان نئی ایجادات کا استعمال اور وہ نئی باتیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں اور جن کو امر دینی نہیں سمجھا جاتا بدعت کے دائرے ہی میں نہیں آتیں، جیسے کہ ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ سفر اور اسی طرح کی دوسری جدید چیزوں کا استعمال۔

اسی طرح جس زمانے میں دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے جن جدید وسائل کا استعمال کرنا ضروری ہو، وہ بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گے۔

جیسے قرآن مجید پر اعراب وغیرہ لگانا تاکہ عوام بھی صحیح تلاوت

کر سکیں اور کتب حدیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا اور فقہ کی تدوین اور مختلف زبانوں میں حسب ضرورت دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف واشاعت کا اہتمام اور دینی مدارس اور کتب خانوں کا قیام وغیرہ، یہ سب چیزیں بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گی کیونکہ اگرچہ یہ عہد نبوی میں نہیں تھیں، لیکن جب اہم دینی مقاصد کی تحصیل وتکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے یہ ضروری اور ناگزیر ہوگئیں تو یہ شرعاً مطلوب اور ماموریہ ہوگئیں۔

جس طرح وضو کرنا شریعت کا حکم ہے لیکن جب اس کے لئے پانی تلاش کرنا یا کنویں سے نکالنا ضروری ہو تو وہ بھی شرعاً واجب ہوگا، دین و شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی فرض وواجب کے ادا کرنے کے لئے جو کچھ کرنا ضروری اور ناگزیر ہو، وہ بھی واجب ہے، لہٰذا اس طرح کے سارے امور جن کا اوپر ذکر کیا گیا بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے ہی میں نہیں آتے بلکہ یہ سب شرعی مطلوبات اور واجبات ہیں۔

بدعت گمراہی ہے

بدعت کی یہ تشریح وتعریف صحیح ہے اور اس بناء پر ہر بدعت ضلالت ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں فرمایا گیا ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس موضوع پر نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم و محقق، امام ابواسحاق ابراہیم شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں بڑی فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے، اور بدعت کی پہلی والی تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرح اس کی تقسیم کے نظریہ کو بڑے محکم دلائل سے رد کیا ہے، اس ضخیم کتاب کا یہی موضوع ہے۔

ہمارے عظیم ترین عارف و مصلح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بہت سے مکتوبات میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ جن علماء نے بدعت کو دو خانوں (حسنہ اور سیئہ) میں تقسیم کیا ہے، ان سے بڑی علمی غلطی ہوئی ہے، بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں ہے، بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضلالت ہی ہوتی ہے، اگر کسی کو کسی بدعت میں نورانیت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے احساس و ادراک کی غلطی ہے، بدعت میں صرف ظلمت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس موضوع پر شرح و بسط سے کلام کیا ہے اور وہ اہل علم کے لئے لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے۔

عملی اور اعتقادی ہر طرح کی بدعت مسترد ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (رواه البخاری و مسلم)

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔“

فائدہ

بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان محدثات اور نو ایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہوں یا عقائد کے قبیل سے) قابل رد اور مردود قرار دیا گیا ہے، جو دین میں ایجاد کی جائیں اور انہیں امر دینی عینِ رضائے الٰہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو، نہ اللہ و رسول کی طرف سے صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو، نہ شرعی اجتہاد و استحسان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو۔

حدیث کے لفظ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا. اور مَا لَيْسَ مِنْهُ. کا مفاد اور مطلب یہی ہے، پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو امر دینی اور وسیلہ رضائے الٰہی وثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا، اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

جیسے نئے نئے قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے لئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا، اسی طرح شادی وغیرہ کی تقریبات کے سلسلہ کے وہ خرافاتی رسوم اور لہو ولعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امر دینی نہیں سمجھتا، ان سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں، ہاں جن رسوم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث کا مصداق، قابل رد اور بدعت ہیں، موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر پھول وغیرہ چڑھانا اور عرس کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے، اس لئے یہ سب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث:

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد.

کا مصداق اور مردود بدعات ومحدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار وفریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں، یہ عقیدۂ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت وبخشش سے قطعی محروم اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰہَ لاَ یغفرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ. وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا. (سورۃ النساء: ۴۸)

’’بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے۔‘‘

اتباعِ سنت کی وصیت

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً فَذَرَفَت مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ، وَالطَّاعَةِ وَلَوْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (جامع الترمذی)

”حضرت عرباض بن ساریہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے اور ہماری طرف رخ فرمالیا اور ایسا مؤثر، دل میں اترنے والا وعظ فرمایا

کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے، (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اُولو الامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے اور ماننے کی اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لینا، پابندی اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور (دین میں) نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لئے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

فائدہ

یہ حدیث مبارکہ کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں، اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے آخری دور حیات کا ہے، آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ ﷺ نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابہ کرام ؓ نے اندازہ کیا کہ شاید آپ ﷺ پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ ﷺ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، اس بناء پر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لئے وصیت فرمائیے۔

آپ ﷺ نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی سب سے پہلے تقویٰ کی، یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہر حال اطاعت کی جائے اگر چہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو۔

دین میں تقویٰ کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور مضبوط طور پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے۔

اگر ایسا نہیں ہوگا تو انتشار و افتراق پیدا ہوگا اور انارکی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی (لیکن رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے) کہ اگر امیر و خلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ و رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق.

"مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔"

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مھدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بس اس کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی حالت میں جب کہ کسی کو

آپ ﷺ کی امت میں اختلاف وافتراق کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا فرمادیا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے، یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب ورفقاء جو آپ کے بعد ۲۵، ۳۰ سال بھی زندہ رہے انہوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرہویں صدی شروع ہوچکی ہے، امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حق وہدایت اور آپ ﷺ کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

حقیقی مومن وہ جو، متّبع سنت ہو

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله تعالیٰ عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ. (شرح السنة)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (حقیقی) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات

میری لائی ہوئی ہدایت وتعلیم کے تابع نہ ہوجائیں۔"

فائدہ

حدیث کا پیغام اور مدعیٰ یہ ہے کہ حقیقی مومن وہی ہے جس کا دل و دماغ اور جس کی خواہشات ورجحانات آپ کی لائی ہوئی ہدایت وتعلیم (کتاب وسنت) کے تابع ہوجائیں، یہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کو خدا کا رسول مان لینے کا لازمی اور منطقی نتیجہ بھی ہے۔ اگر کسی کا یہ حال نہیں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کو حقیقی ایمان ابھی نصیب نہیں ہوا ہے، وہ اس کی فکر کرے اور خود کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرے۔

نجات کا ذریعہ کتاب وسنت

عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِہٖ.

(رواه في المؤطا)

"حضرت امام مالک بن انس سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو چیزیں تم میں چھوڑی ہیں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی

سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ ہیں)

کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔''

فائدہ

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ میرے بعد میری لائی ہوئی کتاب اللہ اور میری سنت میری قائم مقام ہوں گی، امت جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہے گی گمراہیوں سے محفوظ اور راہ ہدایت پر مستقیم رہے گی۔

کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں سنن بیہقی کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ نَبِیِّہٖ

(معارف الحدیث: ج۸).

''اے لوگو! میں وہ (سامان ہدایت) چھوڑ کر جا رہا ہوں جس سے اگر تم وابستہ رہے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔''

کتاب اللہ کی طرح ”سنت“ بھی واجب الاتّباع ہے

رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ کسی زمانے میں کچھ کھاتے پیتے، پیٹ بھرے، بےفکرے فتنہ پرداز لوگ امت میں یہ گمراہی پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ دینی حجت اور واجب الاتباع صرف ”کتاب اللہ“ ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز، خود رسول اللہ ﷺ کی بھی کوئی تعلیم و ہدایت واجب الاتباع نہیں۔

آپ نے اس فتنہ کے بارے میں امت کو واضح آگاہی اور ہدایات دیں۔

فتنۂ انکار سنت کی پیشنگوئی

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلاَ اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلاَ يُوْشَکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِيْکَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلاَلٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۔ (رواہ ابو داؤد)

''حضرت مقدام بن معدی کرب ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی... آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو، اس میں جس چیز کو حلال بتایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال و حرام بس وہی ہے، جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں)۔

(آگے رسول اللہ ﷺ نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اور واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) حرام قرار دیا ہے۔

وحی کی دو قسمیں، "متلو" اور "غیر متلو"

دونوں واجب الاتباع

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو وحی آتی تھی، اس کی دو صورتیں تھیں، ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں، اس کو وحی متلو کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے۔

دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القا اور الہام ہوتا تھا، آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے، اس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ ﷺ کی عام دینی ہدایات و ارشادات کی حیثیت یہی ہے، الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے، اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ چیز منکشف فرمادی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں گے جو یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں، جو قرآن میں ہیں اور جو قرآن میں نہیں ہے، وہ دینی حکم ہی نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیئے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجت دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

احکام کا بڑا حصہ احادیث وسنت سے ثابت ہے

قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی تعلیم اور احکام ہیں، ان کے بارے میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر ان احکام پر عمل ہی نہیں ہوسکتا، رسول اللہ ﷺ کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے، لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ

نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے میں نکالی جائے، یہی حال اکثر و بیشتر قرآنی احکام کا ہے۔

الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں امت کو خاص طور پر آگاہی دی ہے۔

یہ حدیث اس حیثیت سے حضور ﷺ کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے جس کا آپ ﷺ کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

منکرینِ سنّت مادّہ پرست ہونگے

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْنَهَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَاہُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِتَّبَعْنَاہُ. (رواہ الترمذی)

”حضرت ابو رافع ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو اس
حال میں پاؤں (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنے
شاندار تخت پر تکیہ لگائے (متکبرانہ انداز میں) بیٹھا ہو اور
اس کو میری کوئی بات پہنچے، جس میں، میں نے کسی چیز
کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں
جانتے، ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو
قرآن میں ملے گا۔"

فائدہ

اس حدیث کا پیغام بھی وہی ہے جو حضرت مقدام بن معدیکرب ﷜ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے اور دونوں حدیثوں کے الفاظ و انداز سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس گمراہی (انکار حدیث) کے اصل علمبردار ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس دنیا کے ساز و سامان کی فراوانی ہوگی اور اس کے طور طریقے متکبرانہ ہوں گے جو اس بات کی علامت ہوگی کہ عیش دنیا نے ان کو خدا سے غافل اور آخرت کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر فتنے اور ہر گمراہی سے حفاظت فرمائے۔

امت کیلئے رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل ہی اسوۂ حسنہ ہے

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا ؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ، لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرام میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول کیا

ہے؟) جب ان کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک ﷺ سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے، لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت وریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گناہ گاروں کوضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلا ناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا، نکاح شادی کبھی نہیں کروں گا۔

(رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں حضرات کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کیے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں

سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔"

فائدہ

جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایسا ہی حال ہوگا۔

لیکن جب ان کو ازواج مطہرات سے عبادت (نماز، روزے وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے

خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، لیکن از راہ عقیدت و ادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ ﷺ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

ہمارا معاملہ دوسرا ہے، ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنے لئے وہ فیصلے کئے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے، اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، دن میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں، میری بیویاں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں۔

زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی اور رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں، اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا، فرشتوں کا حال ہے،

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے کہ ان کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے، ان کے لئے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمد و رفت۔

لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لے کر پیدا کئے گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں۔

یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، اور اسی میں کمال ہے، اسی لئے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرت عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطۂ نظر غلط اور طریقہ محمدی کے خلاف ہے، جس بنیاد پر ان تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے تھے۔

غالباً انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرزِ عمل سے امت کی تعلیم کے لئے تھا، اور یہ کارِ نبوت کا جز تھا اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا۔

اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟

تو آپ فرماتے:

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا.

''کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔''

اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے، جس کو ''صوم وصال'' کہا جاتا ہے۔

الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔

دورِ حاضر میں نجات کا واحد راستہ اتباعِ محمدی ﷺ ہے

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَسَکَتَ، فَجَعَلَ یَقْرَءُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَتَغَیَّرُ، فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَاتَرٰی مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ بَدَالَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ. (رواہ الدارمی)

’’حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر بن الخطاب ؓ تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے

سکوت اختیار فرمایا (زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا (اور حضور ﷺ کو سنانا) شروع کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ (حضرت عمرؓ پڑھتے رہے اور حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابوبکرؓ نے (جو مجلس میں حاضر تھے، حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور) فرمایا:
ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ. (رونے والی تجھ پر روئیں) حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے۔"

اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم (دل و جان سے) راضی ہیں، اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد کو نبی و رسول مان کر، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اس خداوند عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کرلو تو راہ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ

گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور
میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے
(اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلنے کے علاوہ ان کے
لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا)۔

فائدہ

نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اوراق۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ناگواری اور چہرۂ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو جملہ فرمایا:

ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ

اس کا لفظی ترجمہ ہے ''روتے والیاں تجھ کو روئیں''۔

جب اظہار ناراضی کے موقع پر یہ جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنی مراد نہیں ہوتے، ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، ہماری اردو زبان میں مائیں اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے ''موا'' کہتی ہیں، جس کے لفظی معنی ہیں مرا ہوا) مقصد صرف ناراضی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضور ﷺ کی ناراضی و ناگواری کی

خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ''خاتم الکتب'' قرآن مجید اور ''خاتم الانبیاء'' حضرت محمد ﷺ کی ہدایت وتعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیمی صحیفہ سے روشنی ورہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے، حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفت الٰہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کردیا ہے، پچھلی کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین واحکام تھے، جن کی بنی آدم کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کردیئے گئے ہیں:

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ .

جو قرآن پاک کی صفت ہے، اس کا مطلب یہی ہے۔

نیز تورات اور دوسرے اگلے صحیفوں کا دور ختم ہوچکا ہے، نزول قرآن اور بعثت محمدی کے بعد نجات اور رضائے الٰہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف ہے، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آپ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحب تورات موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوکر اس دنیا میں تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت وتعلیم کو چھوڑ کے ان کی پیروی اختیار کرلو، تو تم راہ یاب نہیں ہوگے بلکہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہوجاؤ گے۔

اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آج

حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت ورسالت کا یہ دور پاتے تو وہ خود بھی اسی ہدایت الٰہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس طرح میری اقتدا اور میری پیروی کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آپ ﷺ کے اخص الخواص اصحاب میں سے تھے، اس لئے ان کی یہ ذرا سی لغزش بھی حضور ﷺ کے لئے ناگواری کا باعث ہوئی۔

نہ تورات نہ انجیل، بس صرف قرآن وسنت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ اَهْلُ الْکِتَابِ یَقْرَؤُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِیَّةِ وَیُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِیَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْکِتَابِ وَلَا تُکَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا الْاٰیَةِ. (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی زبان میں توراۃ پڑھتے اور عربی میں اس کی تفسیر وتشریح کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اہل کتاب کی (ان باتوں کو جو وہ تورات کے حوالہ سے تم کو سناتے اور بتلاتے ہیں) نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بس (اللہ تعالیٰ کی ہدایت

کے مطابق قرآن پاک کے الفاظ میں) یہ کہہ دیا کرو کہ:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ.

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۶)

''ہم ایمان لائے، اللہ پر اور اس کی اس کتاب پر جو ہماری طرف (اور ہماری ہدایت کے لئے) نازل کی گئی ہے، اوران سب ہدایت ناموں پر ایمان لائے جو نازل کئے گئے تھے (انبیاء سابقین) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور اسباط پر اور جو نازل کئے گئے موسیٰ و عیسیٰ پر اور (ان کے علاوہ) اور نبیوں کو جو ہدایت عطا ہوئی ان کے پروردگار کی طرف سے، ہم (نبی ورسول ہونے کی حیثیت سے) ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے (ہم سب کو مانتے ہیں) اور ہم بس اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔''

فائدہ

واقعہ یہ ہے کہ تورات میں اور اسی طرح انجیل میں طرح طرح کی

تحریفات ہوئی تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ ان کی سب باتوں کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، یہ عقیدہ رکھو اور دوسروں کے سامنے بھی اپنا یہ موقف واضح کردو کہ اللہ کے سب نبیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے سب ہدایت ناموں پر ہمارا ایمان ہے، ہم ان سب کو برحق مانتے ہیں، اس لحاظ سے اللہ کے نبیوں میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے بندے ہیں، اسی کے حکموں پر چلتے ہیں، اور اس دور سے قیامت تک کے لئے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی آخری کتاب قرآن اور اس کے لانے والے آخری نبی ورسول کی تعلیم وہدایت کی پیروی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایمان اللہ کے سب نبیوں پر اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں پر لایا جائے، سب کا احترام اور سب کی عظمت کا احترام کیا جائے لیکن پیروی اپنے زمانے کے نبی ورسول کی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی کی جائے۔

نجات کی ضمانت سنت ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِیْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى

اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّصْنَعُ ذَالِكَ، وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةٍ، كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوْا مَنْ هِىَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ. (رواه الترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بد بخت ہوا ہوگا جس نے اعلانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو ایسا کریگا اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے (وہی جنتی ہوگا) صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اس راستے پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔''

فائدہ

اس حدیث میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کے لئے بہت بڑی آگاہی ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر امتی اس کی فکر اور اس کا دھیان رکھے کہ وہ انہی عقائد ونظریات اور اسی مسلک پر قائم رہے جس پر خود آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام تھے، نجات اور جنت کی ضمانت انہی کے لئے ہے۔

اس طبقہ نے اپنے لئے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا عنوان اختیار کیا ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی رکھنے والے)۔

دوسرے بہتر (۷۲) فرقے جن کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے:

كُلُّهُمْ فِي النَّار .

''کہ یہ سب کے سب جہنمی ہونگے۔''

ان سب کی تعیین کے ساتھ نشاندہی نہیں کی جاسکتی، بہرحال یہ وہ ہیں، جن کا دینی طرز فکر اور اعتقادی مسلک

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ.

''جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔''

سے اصولی طور پر مختلف ہے، مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے جیسے

زیدیہ، معتزلہ، جہمیہ اور ہمارے زمانے کے منکرین حدیث اور وہ مبتدعین جن کے عقیدے کا فساد کفر تک نہیں پہنچا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں نے ایسے عقائد اختیار کر لئے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو گئے

جیسے قدیم زمانے میں مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کو نبی ماننے والے، یا ہمارے زمانے کے قادیانی، سو ایسے لوگ ا''امت'' کے دائرہ ہی سے نکل گئے اس لئے یہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں شامل نہیں ہیں، یہ بہتر (۷۲) فرقے وہ ہیں جو امت کے دائرہ میں ہیں، مگر انہوں نے

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ.

''جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔''

کے راستہ سے ہٹ کر اعتقادی مسلک اور دینی طرز فکر اختیار کر لیا، لیکن ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار اور کوئی ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام اور امت کے دائرہ ہی سے خارج ہو گئے ہوں۔

ان کے بارے میں جو فرمایا گیا

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ.

''یہ سب جہنم میں جائیں گے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ کے فساد اور گمراہی کی وجہ سے یہ عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے۔اسی طرح

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ

''جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔''

کے مسلک سے وابستگی رکھنے والے تہترویں فرقے کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعتقادی استقامت کی وجہ سے نجات اور جنت کا مستحق ہوگا۔

بہر حال حدیث میں جس تفرق (فرقوں میں تقسیم ہونے کا) ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا اعمال کی نیکی بدی اور اچھائی برائی سے تعلق ہے، فرقہ بندی کا تعلق عقائد وافکار سے ہوتا ہے۔

اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی وجہ سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہونا بھی برحق ہے، لیکن اس حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فساد و بگاڑ کے وقت سنت سے وابستگی پر بشارت

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِىْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِىْ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ. (رواه الطبرانى فى الاوسط)

''حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فساد و بگاڑ کے وقت
میری سنت اور میرے طریقہ سے وابستہ اور اس کو مضبوطی
سے پکڑے رہے اس کے لئے شہید کا اجر و ثواب ہے۔"

فائدہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوا اور اس کے علاوہ دوسری متعدد حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں کی طرح آپ کی امت میں بھی فساد و بگاڑ آئے گا اور ایسے دور بھی آئیں گے جب امت میں بے راہ روی اور نفس و شیطان کی پیروی بہت عام ہو جائے گی اور اس کی غالب اکثریت آپ کی ہدایت و تعلیم اور آپ کے طریقہ کی پابند نہیں رہے گی۔

ظاہر ہے کہ ایسے فاسد ماحول اور ایسی ناموافق فضا میں آپ کی ہدایت اور سنت و شریعت پر قائم رہ کر زندگی گزارنا بڑی عزیمت کا کام ہوگا اور ایسے بندوں کو بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی قربانیاں دینی ہوں گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان اصحاب عزیمت کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا درجہ اور اجر و ثواب عطا ہوگا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہماری زبان میں ''سنت'' کا لفظ ایک مخصوص اور محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے، مگر حدیث میں ''سنت'' سے مراد آپ کا طریقہ اور آپ کی ہدایت ہے جس میں عقائد اور فرائض و واجبات بھی شامل ہیں۔

احیاءِ سنت اور امت کی دینی اصلاح کی جدوجہد

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْيٰ سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ. (رواه الترمذی)

''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد مردہ ہوگئی تھی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ ہوگا۔''

فائدہ

رسول اللہ ﷺ کی کسی ہدایت اور کسی سنت پر جب تک عمل ہو رہا ہے اور وہ رواج میں ہے تو وہ زندہ ہے اور جب اس پر عمل متروک ہو جائے اور رواج نہ رہے تو گویا اس کی زندگی ختم کر دی گئی۔

اب آپ کا جو وفادار امتی آپ کی اس سنت اور ہدایت کو پھر سے عمل میں لانے اور رواج دینے کی جد وجہد کرے اس کے لئے اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس نے مجھ سے محبت کی اور محبت کا حق ادا کر دیا اور اب وہ آخرت اور جنت میں میرے ساتھ اور میرا رفیق ہوگا۔

سنّت کو زندہ کرنے پر دائمی اجر کا وعدہ

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَحْیٰی سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا .

(رواہ الترمذی)

”حضرت بلال بن الحارث مزنی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کر دی گئی تھی، (متروک ہوگئی تھی) تو اس شخص کو اجر وثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر و ثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔“

فائدہ

اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندۂ خدا کی محنت اور جدوجہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوٰۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو ان کا شرعی حق دیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر وثواب ملے گا، اس سب کے مجموعہ کے برابر اس بندے کو عطا ہوگا جس نے ان دینی احکام واعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جدوجہد کی تھی اور یہ اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہوگا، ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کر کے دیا جائے۔

اس کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کرے اور دین پر چلے اور اپنے خیالات اور استطاعت کے

مطابق دوسروں میں بھی اس کے لئے محنت اور کوشش کرے۔

لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمان کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہو گیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ہے۔

پھر ہمارے ہی زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول اللہ ﷺ کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر و محنت کے اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے چالو کرنے اور رواج میں لانے کے لئے جدوجہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کردی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو کر پندرہویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کی فکر سے بالکل خالی تھے۔

اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ ورسول ﷺ کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لئے محنت و کوشش کر رہے ہیں، اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔

بلاشبہ احیاءِ سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ (آمین)

سنت کے پیروکاروں کو مبارکباد

عَنْ عَمْرُو بْنِ عَوْفٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الدِّیْنَ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ وَھُمُ الَّذِیْنَ یُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت عمرو بن عوف ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین (اسلام) جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کے لئے اجنبی اور کسمپرسی کی حالت میں) تھا، پس شادمانی ہو غرباء کے لئے (اور غرباء سے مراد) وہ لوگ ہیں جو اس فساد اور بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد میری سنت (اور میرے طریقہ) میں لوگ پیدا کریں گے۔“

فائدہ

ہماری اردو زبان میں تو ”غریب“ نادار اور مفلس آدمی کو کہا جانے لگا ہے، لیکن اس لفظ کے اصل معنی ایسے پردیسی کے ہیں جس کا کوئی شناسا

اور پرسان حال والا نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اسلام پیش کیا تھا تو اس کی تعلیم، اس کے عقائد، اس کے اعمال اور اس کے نظام زندگی لوگوں کے لئے بالکل نامانوس اور اجنبی تھی اور وہ اس وقت ایسے غریب الوطن پردیسی کی طرح تھا جس کا کوئی جاننے پہچاننے والا اور کوئی اس کی بابت پوچھنے والا نہ تھا۔

پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال بدلتی رہی لوگ اس سے مانوس ہوتے رہے اور اس کو اپناتے رہے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ پہلے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اجتماعی طور پر اس کو سینہ سے لگایا، اس کے بعد جلد ہی قریبا پورے جزیرۃ العرب نے اس کو اپنالیا، پھر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ جس طرح پچھلی امتوں میں بگاڑ آیا آپ کی امت میں بھی آئے گا اور اس کی غالب اکثریت گمراہانہ رسوم اور غلط طور طریقوں کو اپنالے گی اور اصل اسلام جس کی دعوت و تعلیم آپ نے دی تھی، بہت ہی کم لوگوں میں رہ جائے گی اور اپنے ابتدائی دور کی طرح وہ پھر غریب الوطن پردیسی کی طرح ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں امت کو اس انقلاب حال کی اطلاع اور آگاہی دی ہے۔

اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے کہ امت کے اس عمومی فساد کے وقت اصل اسلام پر قائم رہنے والے جو وفادار امتی اس فساد و بگاڑ کی اصلاح کی کوشش اور بگڑی ہوئی امت کو اصل اسلام کی طرف لانے کی جدوجہد کریں گے ان کو مبارک ہو۔

اس حدیث شریف میں دین کے ایسے وفادار خادموں کو رسول اللہ ﷺ نے ''غرباء'' کا خطاب دیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی امت کا جو حال ہے، اس پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہے، امت کی غالب اکثریت دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر قبر پرستی جیسے صریح شرک میں مبتلا اور نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کی بھی تارک ہے، دن رات کے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ میں حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جھوٹے مقدمات اور جھوٹی گواہی جیسے موجب لعنت گناہوں سے صرف اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی وجہ سے پرہیز کرنے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں، علماء و درویشوں کی بڑی تعداد میں نفس

پرستی اور حب جاہ و مال کی پیدا کی ہوئی وہ ساری خرابیاں دیکھی جاسکتی ہیں جو یہود و نصاریٰ کے احبار ور ہبان میں پیدا ہوگئی تھیں۔ اور جن کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی۔

ایسے فتنہ انگیز وقت میں جو باتوفیق بندے اصل اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و سنت سے وابستہ رہیں اور امت کی اصلاح کی فکر و کوشش میں حصہ لیں وہ لشکر محمدی کے وفادار سپاہی ہیں، انہیں کو اس حدیث میں ''غربا'' کہا گیا ہے) اور زبان نبوت سے ان کو شاباشی اور مبارکباد دی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ. (آمین)

اخروی معاملات میں حضور ﷺ کی ہر بات واجب الاطاعت ہے

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الاطاعت ہے، خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے، یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے۔

لیکن کبھی کبھی اللہ کے پیغمبر کوئی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے

واضح فرمادیا ہے کہ وہ امت کے لئے واجب اطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو، اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث کا مدعیٰ یہی ہے۔

واقعۂ تابیر النخل (کھجور کی پیوندکاری) ایک دنیوی معاملہ

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ ﷺ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَابِرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوْا لَكَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ فَذَكَرُوْ ذَالِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَاْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (رواه مسلم)

”حضرت رافع بن خدیج ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ہجرت کرکے) مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہو؟ (اور کس واسطے کرتے ہو؟)“

انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہم پہلے سے کرتے آئے ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو، تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا تو پیداوار کم ہوئی، لوگوں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں (اپنی فطرت کے لحاظ سے) بس ایک بشر ہوں، جب میں تم کو دین کی لائن کی کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لازم پکڑلو (اور اس پر عمل کرو) اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کے لئے تم سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں۔

فائدہ

مدینہ طیبہ کھجور کی پیداوار کا خاص علاقہ تھا (اور اب بھی ایسا ہی ہے) رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوندکاری کرتے ہیں، جس کو ''تأبیر'' کہا جاتا تھا۔

چونکہ مکہ معظّمہ اور اس کے اطراف میں کھجور پیدا نہیں ہوتی اس لئے یہ تابیر کا عمل آپ ﷺ کے لئے ایک نئی بات تھی، آپ ﷺ نے ان

لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس لئے کرتے ہیں؟

وہ اس کی کوئی خاص حکمت اور نافعیت نہیں بتلا سکے، صرف یہ کہا کہ پہلے سے ہی یہ ہوتا رہا ہے، یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اس کو دور جاہلیت کی دوسری بہت سی لغو باتوں کی طرح کا ایک فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ شاید اس کو نہ کرو تو بہتر ہے۔

ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ سن کر اس عمل تأبیر کو ترک کر دیا۔

لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس فصل میں کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ الخ...

یعنی میں اپنی ذات سے ایک بشر ہوں، میری ہر دنیاوی بات دینی ہدایت اور وحی کی بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے بھی بات کرتا ہوں تو جب میں نبی و رسول کی حیثیت

سے دین کی لائن کی کسی بات کا حکم دوں تو وہ واجب التعمیل ہے اور جب میں کسی دنیاوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں تو اس کی حیثیت ایک بشر کی رائے کی ہے، اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے اور عملِ تابیر کے بارے میں جو بات میں نے کہی تھی وہ میرا ذاتی خیال اور میری ذاتی رائے تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب خاصیتیں رکھ دی ہیں، جن کا پورا علم بھی بس اسی کو ہے، تابیر کے عمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو کچھ نہیں بتلایا گیا تھا، اور آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، آپ باغبانی کے رموز بتلانے کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ عالم انسانی کی ہدایت اور اس کو رضائے الٰہی اور جنت کا راستہ دکھلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور اس کے لئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ آپ کو بھرپور طور پر عطا فرمایا گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ خیال اور عقیدہ غلط ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر بات اور ہر چیز کا علم تھا۔

جولوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ حضور ﷺ کے مقام عالی سے نا آشنا ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆......☆......☆

اتباعِ سنّت

اور

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذِ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

اطاعت رسول ﷺ ہی اطاعت خداوندی ہے

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو یہ
ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میری
اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ،
جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی
نافرمانی کی ،جس نے امیر کی اطاعت کی
اس نے میری اطاعت کی ، اور جس نے
امیر کی نافرمانی کی گویا کہ اس نے میری
نافرمانی کی اور امیر کی مثال ڈھال کی سی
ہے جس سے انسان اپنی حفاظت کرتا ہے اپنی
اور لڑتا ہے اگر امام (امیر) تقویٰ اور
انصاف کا حکم کرتا ہے تو اس کو اس کا ثواب
ملے گا اور اگر اس کے خلاف حکم دیتا ہے تو
اس کا وبال اس پر پڑیگا۔“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا مالم

نعلم والصّلٰوۃ علٰی افضل الرسل واکرم.

وعلی آلہٖ وصحبہ وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران: ۳۱)

''اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے، اطاعت کرو

اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم اعراض کرو گے،
تو بے شک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اتباعِ سنت کی اہمیت

جس طرح اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس سے انکار بمنزلہ کفر ہے۔ اسی طرح رسول کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے، اسی طرح رسول کی تابعداری بھی فرض ہے۔

محبت کا باطل دعویٰ

نزولِ قرآن کے زمانے میں مشرکین عرب یہود اور نصاریٰ محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب مشرکین سے کہا جاتا کہ تم شرک کیوں کرتے ہو، تو جواب دیتے :

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى .

(سورۃ الزمر ۳)

”ہم ان معبودوں کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ
یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے۔“

یعنی بتوں کی پرستش تقربِ الٰہی کے لیے ہے۔ اور جب یہی سوال

نصاریٰ سے کیا جاتا کہ تم کیوں شرک میں مبتلا ہو۔ تو وہ بھی محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے اور کہتے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس کی پرستش اللہ کی محبت کے لیے ہے۔

نصاریٰ حضرت مریم علیہا السلام کو مادرِ خدا، یا خود خدا تسلیم کرتے، یا تین میں سے خدا مانتے تو ان کا ادعا جیسا کہ آگے آئے گا، اللہ کی محبت میں غلطی پر ہوتا تھا۔

یہود بھی کہتے تھے:

نَحۡنُ اَبۡنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاۤؤُهٗ. (المائدة:۱۸)

''ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں (کیونکہ اس کے مقرب انبیاء کی اولاد ہیں)۔''

گویا وہ بھی اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعوؤں کا رد فرمایا ہے اور اپنی محبت کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ جو کوئی اس معیار پر پورا اترے گا، وہی حقیقی محبوب ہوگا، اس کے علاوہ کفر و شرک ہوگا۔

معیارِ محبت، اتباع و اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ محبت رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت

مریم علیہا السلام اور آل عمران کی مثال بیان فرمائی ہے، مشرکین اور اہلِ کتاب کی تردید کی ہے۔ کیونکہ وہ معیارِ محبت پر پورے نہیں اترتے۔

ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیجئے، اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اس کے دعویدار ہو، تو اس کا ایک ہی معیار ہے، فَاتَّبِعُوْنِیْ. میری اتباع اختیار کرلو۔

گویا پہلی بات تو رسالت کے متعلق آگئی کہ اللہ کی محبت نبی کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نافرمانی، نبی کی اطاعت کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں۔

لہٰذا رسالت پر ایمان لانا ضروری ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ پر اس لیے ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ ''خالق'' ہے، مالک ہے اور معبود ہے اور رسول پر ایمان لانا اس لیے لازمی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات اس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان محض اپنی عقل سے معلوم نہیں کرسکتا۔

رسول پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا۔ جب تک اس کی اتباع نہیں ہوگی۔ اس کے بغیر محبت کا دعویٰ باطل محض ہے۔ لہٰذا جو کوئی رسول کی اتباع کرے گا۔ وہ اللہ کی محبت کو پالے گا، اور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

جیسا کہ عرض کیا ہے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ محبت باطل تھا، وہ تو کفر و شرک کے مرتکب تھے۔ نبی علیہ السلام کی اتباع کہاں کرتے تھے؟ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ.

تم میں سے کوئی کامل الایمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز کی اتباع نہ کرے جسے میں لایا ہوں۔

نیز یہ کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطاع مطلق ہے اور رسول تو اللہ کی محبت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کی اتباع بھی ضروری ہے، اور اس کے ساتھ محبت بھی لازمی ہے۔

کسی ذات کے ساتھ محبت اس کے جمال، کمال اور احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مالکِ حقیقی اور محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کمال بھی ہے اور جمال بھی ہے، اور مخلوق میں سب سے زیادہ محسن اللہ کا نبی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ کی رضا کا

ذریعہ اور جنت تک پہنچانے والی ہو اور وہ میں نے تم کو
نہ بتلائی ہو۔"

اسی طرح کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہو اور میں نے تم کو نہ بتلائی ہو۔

مقصد یہ کہ میں نے ہر اچھی اور بری چیز کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق مالک اور محبوب حقیقی ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کی سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ جیسے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ.(سورہ بقرہ:۱۲۵)

"اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ سے سب سے
زیادہ محبت رکھتے ہیں۔"

اور مخلوق میں سے

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ .(سورہ
احزاب:٦)

"اللہ کا نبی مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے بھی
زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔"

یعنی مسلمانوں کا اپنا نفس ان کے لیے اتنا مفید اور خیر خواہ نہیں ہے، جتنا اللہ کا رسول ہے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی بھلائی چاہتا ہے، لہٰذا اس پر ایمان لانا اور اس کی اتباع کرنا ضروری ہے۔

تکمیل ایمان، محبت، اتباع اور اطاعت سے

مشکوٰۃ شریف میں روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام وضو فرمارہے تھے کہ: کچھ لوگ آپ کے ماء مستعمل کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا:

حُبًّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ .

اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بناء پر ایسا کرتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہوگی، جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کروگے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دینے والی کوئی بات نہیں کروگے۔

ظاہر ہے کہ سچ بولنا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے۔ پڑوسی کو ایذاء سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی اتباع نہیں ہوگی محض زبانی محبت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ غرضیکہ تکمیل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتباع رسول میں فرق نہ آنے پائے۔

بہر حال فرمایا: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا:

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

''اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

اتباع واطاعت ہر شعبہ زندگی میں لازمی

اور اتباع رسول کی تکمیل اس وقت ہوگی۔ جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اختیار کیا جائے گا۔

صرف نماز پڑھنے سے اتباع کا حق ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، لین دین، عبادات، سیاسیات، جہاد، جنگ، صلح، شادی غمی غرضیکہ معاشرہ میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اتباع رسول کو لازم پکڑنا ہوگا۔ اب تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ عبادات بھی اپنی خواہش کے مطابق ہونے لگی ہیں، رسول کے طریقے کی کوئی پروا نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ دیگر معاملات میں سنت رسول کی پیروی کی جائے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ:

''ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا: ''حضور! میں آپ سے محبت کرتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس شخص نے عرض کیا:

’’حضور! میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو، تو فقر کو اپنی زندگی کا جزو بنالو، کیونکہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کے پاس فقر اس قدر تیزی سے آتا ہے کہ سیلاب بھی اپنے منتہا کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا‘‘۔

غرض یہ کہ حب رسول کا دعویدار مال جمع نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اگر کوئی شخص عیش وعشرت میں زندگی گذارتا ہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے، تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیارِ محبت کے خلاف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کسی نہ کسی ابتلا میں ضرور مبتلا ہوگا۔

اسی طرح رسول کی محبت کا دعویدار فقیر ہوگا، مال و دولت اور محبت رسول متضاد چیزیں ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کریں۔ ان کی جائز حاجات کا خیال رکھیں، اگر ان چیزوں کی طرف دھیان دے گا تو اس کے پاس مال جمع نہیں ہوسکتا، لہٰذا فقیر ہوگا۔

الغرض! فرمایا کہ اتباع رسول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ!

یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور پھر اللہ کی محبوبیت کا تقاضا یہ ہے:

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ.

''وہ تمہاری غلطیاں، لغزشیں اور گناہ معاف فرمادے گا۔''

گناہ کی معافی کا قانون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کردیا ہے کہ: ''خالی گناہ تو استغفار سے ہی معاف ہو جائے گا''۔ سچے دل سے توبہ کرلی تو اللہ نے معاف فرمادیا۔ اگر فرائض میں کوتاہی ہوئی ہے تو پہلے ان کو ادا کرو۔ پھر اللہ سے معافی مانگو، اللہ معاف کردے گا۔

نماز رہ گئی ہے، روزہ قضا ہو گیا، پہلے انہیں ادا کرلو، اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے کسی کا حق غصب کیا ہے، تکلیف پہنچائی ہے تو پہلے اس کا حق ادا کرو یا اس سے معافی مانگ کر جان چھڑا لو، اور اس دنیا میں حقوق العباد ادا نہیں کر سکے، تو پھر قیامت کے دن اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں نماز، روزہ، خیرات وغیرہ حقدار کو دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں ختم ہو گئیں، تو حقدار کے گناہ حق دہندہ کے سر پر ڈالے جائیں گے، جس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

لہٰذا حقوق العباد کا تصفیہ اسی دنیا میں کر جاؤ، اور اللہ سے معافی مانگ لو۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

''اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے''۔

یہ اس کی مہربانی ہے، کہ اپنے نبی کو بھیجا، کتاب نازل فرمائی، اور ہدایت کا سامان پیدا کیا، تاکہ انسان گناہ سے بچ جائیں، اور پھر جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائیں۔

اطاعت رسول ﷺ محبتِ الٰہی کا ذریعہ

اس کے بعد فرمایا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ.

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی تابعداری کرو، کیونکہ وہ خالق، مالک اور معبود برحق ہے اس کی اطاعت فرض مطلق ہے، اور اس کے ساتھ رسول کی تابعداری کرو، کہ وہ خدا کی اطاعت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جب تک رسول کی اطاعت نہیں ہوگی۔ خدا کی اطاعت ممکن نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسی آیت کو عصمتِ انبیاء کی دلیل کے طور پر ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعتِ مطلقہ کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول غلطی نہیں کرتا، اگر غلطی کا امکان ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اطاعت مطلقہ کا حکم نہ دیتا۔

خوش طبعی میں بھی حق اور سچ ہی کہتا ہوں

خود حضور علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے:

آپ نے کسی موقع پر مزاح فرمایا، صحابہ نے عرض کیا، "آپ اللہ کے رسول ہو کر مزاح فرماتے ہیں"، فرمایا: "ہاں، مگر ایسی حالت میں بھی میری زبان سے کوئی باطل بات نہیں نکلتی بلکہ لَا اَقُوْلُ اِلَّا الْحَقّ. میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاح کے انداز میں فرمائی ہوئی ایک بات سے فقہاء نے ایک سو مسائل نکالے ہیں۔

اللہ نے نبی کی زبان پر ایسا حق جاری فرمایا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

غرضیکہ نبی معصوم ہوتا ہے، یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی سے اپنی حفاظت اٹھالیتا ہے اور بعض غلطیاں بھی سرزد ہونے دیتا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ بھی بشر اور مخلوق ہیں، یہ عقیدہ درست نہیں ہے، نبی سے عصمت کی حفاظت کسی وقت نہیں اٹھائی جاتی، ورنہ رسول پر اعتماد ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کو تو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ غلطی سرزد نہیں ہوتی بعض معمولی لغزشیں ہوتی ہیں۔ جو کہ عام لوگوں کے لیے تو وہ گناہ نہیں ہوتے مگر انبیاء

کے لیے وہ بھی قابلِ مؤاخذہ ہوتی ہیں، تاہم وہ گناہ کی فہرست میں نہیں آتا نبی گناہ سے ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے ساتھ نبی کی اطاعت مطلقہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر تم روگردانی کرو گے، **فَاِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ.** تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اتباع کے بغیر محبت کا دعویٰ کھلا جھوٹ

جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح نبی پر ایمان لانا بھی فرض ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہوگا، نبی پر ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس پر محض ایمان لایا جائے اور اعلیٰ درجہ ایمان کا یہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہو اور محبت کا تقاضا ہے کہ اتباع ہو، اگر دعویٰ محبت کے ساتھ اتباع نہیں تو دعویٰ جھوٹا ہے، یہ بھی کافرانہ بات ہے۔ جیسا کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفران کرتی ہیں۔

حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''ہاں'' **وَتکفُرْن العشیر** یہ خاوند کی ناشکر گذاری کرتی ہیں۔

اس کو کفر باللہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کفرانِ نعمت ہے۔ مشرکین، یہود و نصاریٰ، کا کفر تو صریح کفر ہے کہ وہ حضور علیہ السلام پر ایمان ہی نہیں لائے۔ مگر جو مسلمان محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود اتباع نہیں کرتا، وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے، ان کا دعویٰ محبت درست نہیں ہے، لہٰذا ایسے لوگ قابل مؤاخذہ ہیں، چنانچہ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر یہ روگردانی کریں، تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا کافر خواہ کفر باللہ کرنے والا ہو یا کفرانِ نعمت کرنے والا ہو، محبوب خدا نہیں بن سکتا۔

حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ نمونہ ہے

ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا.

(سورہ احزاب: ۲۱)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے، اور قیامت کے دن کی اور اُس نے ذکر کیا اللہ کا کثرت سے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ.

البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ ذرا اللہ کے مقرب ترین بندے کی طرف دیکھو کہ وہ کس طرح دنیا کے مصائب برداشت کرتے ہوئے دینِ حق پر استقلال دکھا رہے ہیں، واقعہ خندق میں ہی دیکھ لیں کہ حضور علیہ السلام نے فاقے کے باوجود صحابہ کے شانہ بشانہ کام کیا، بڑی بڑی چٹانوں کو توڑا، مٹی اٹھا اٹھا کر دور لے جاتے رہے یہ سب کچھ آپ نے اللہ کی رضا اور دین کی تائید کے لیے کیا، اور یہی باقی لوگوں کے لیے نمونہ ہے، یہ تو جہاد کا موقعہ تھا ورنہ زندگی کے ہر موڑ پر تمام نشست و برخواست حرکت و سکون، نشیب و فراز، صلح و جنگ غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ کے نبی امت کے لیے نمونہ ہیں، لہٰذا جو لوگ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے گریز کرتے ہیں، انہیں نبی کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہیئے، اگر وہ اس قدر مصائب برداشت کر رہے ہیں، تو باقی لوگ کیوں نہیں کر سکتے ؟

نکتے کی بات

امام ابوبکر جصاص ؒ فرماتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرض یا واجب سمجھ کر کیا ہے۔ وہ امت کے لیے بھی فرض یا

واجب ہوگا اور جو کام آپ علیہ السلام نے بطور سنت انجام دیا ہے وہ امت کے لیے بھی سنت ہے، البتہ جو کام حضور علیہ السلام نے استحباب کے درجے میں کیا ہے اس میں عام مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو وہ کام ثواب کی خاطر کرلیں، اور اگر وہ کام نہیں کرتے تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

سورۃ البینہ میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو بیّنہ کا لقب دیا ہے۔ یعنی آپ اہل ایمان اور دیگر لوگوں کے لیے ایک واضح نمونہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص اپنی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ اس نمونہ کے مطابق بنا سکتا ہے، قرآنِ پاک کی اساسی تعلیم اور وحی الٰہی کی تعمیل کا مجسم نمونہ حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔

مگر یہ نمونہ اُس شخص کے لیے ہے :

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ.

جو اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اُس کو یقین ہے کہ اُس دن جزائے عمل واقع ہوگا۔

رجیٰ کا لفظ اضداد میں سے ہے اور یہ امید کا معنیٰ بھی دیتا ہے اور خوف کا بھی۔ اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ کے نبی میں نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اور اُسے قیامت کے دن کا بھی خوف ہے کہ وہاں ضرور مؤاخذہ ہوگا۔

حضور علیہ السلام اپنے خطبہ کی ابتداء میں فرمایا کرتے تھے :

اِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتٰبُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

یعنی بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ اور سیرت حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، حضور علیہ السلام کی سیرت ایک جامع سیرت اور ہر شخص کے لیے کامل نمونہ ہے۔

فرمایا اللہ کے نبی کی ذات میں اُس شخص کے لیے بھی بہترین نمونہ ہے، وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا . جو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے شخص کے دِل میں پاکیزگی اور روحانیت آئے گی اور ایسے شخص کو فلاح نصیب ہوگی۔ برخلاف اِس کے جن لوگوں کے دلوں میں نفاق ہے، اللہ تعالیٰ کو دلجمعی سے یاد نہیں کرتے یا کفر وشرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اُن کے لیے حضور علیہ السلام کی ذات میں کوئی نمونہ نہیں ہے۔

سنّت کی پابندی تمام اوامر ونواہی میں

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا . (سورة الحشر:۷)

”اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔“

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ .

"مالِ فے میں سے رسولؐ جو کچھ تم کو دیں، اس کو لے لو،
زیادہ کی طمع نہ کرو، اور جس بات کی ممانعت کریں (یعنی
مالِ فے میں سے کچھ چھپا کر رکھنا) اس سے باز رہو۔"

یہ آیت اگرچہ مالِ فے کی تقسیم کے متعلق ہے لیکن (الفاظ کے عموم کے پیش نظر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر ونواہی پر کاربند رہنے کی ہدایت کو شامل ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر اور (سفید بال) نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کی جھریاں بنانے والیوں پر اور تخلیقِ خداوندی کو بدلنے والیوں پر۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی تو وہ آئی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا:

"مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت
کی ہے"؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پر لعنت کی ہے
(یعنی جن کے احکام کی پابندی کی ہدایت، اللہ کی کتاب

میں موجود ہے، انہوں نے لعنت کی) تو میں ایسی عورتوں
پر لعنت کیسے نہ کروں"۔

اس عورت نے کہا:

"دونوں لوحوں کے درمیان جو کتاب موجود ہے، میں
نے وہ (ساری) پڑھی، اس میں تو کہیں مجھے نہیں ملا
(کہ رسول کے ہر حکم کی پابندی کرو)"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تو نے کتاب اللہ پڑھی ہی نہیں، اگر پڑھتی تو تجھے (یہ
حکم) مل جاتا، کیا تو نے نہیں پڑھا کہ اللہ نے فرمایا ہے:
مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

"عورت نے کہا کیوں نہیں (یہ آیت تو میں نے پڑھی
ہے) فرمایا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایسا
کرنے کی) ممانعت کردی ہے۔"

اطاعتِ رسول ﷺ، اطاعت خداوندی ہے

عن ابی هريرة رضی الله عنه انه سمع النبی
صلى الله عليه وسلم يقول (نحن الآخرون
السابقون) ولهذا الاسناد من اطاعنی فقد اطاع

اللّٰہ و من عصابی فقد عصی اللّٰہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعصی الامیر فقد عصانی وانما الامام جُنة یقاتل من ورائه ویتقی به فان أمر بتقوی اللّٰہ وعدل فان له بذلک اجرا وان قال بغیرہ فان علیه منه

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی گویا کہ اس نے میری نافرمانی کی اور امیر کی مثال ڈھال کی سی ہے جس سے انسان اپنی حفاظت کرتا ہے اور لڑتا ہے اگر امام (امیر) تقویٰ اور انصاف کا حکم کرتا ہے تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اگر اس کے خلاف حکم دیتا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑیگا۔''

فائدہ

اس حدیث میں سید الکونین ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ سے

تعلق قائم کرنا ہے یا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے تو مجھے راضی کرو یعنی میری فرمانبرداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میری نافرمانی کرو اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو جائیں یہ محال ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ...

''یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی میری سنت کو لازم پکڑو۔ اپنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا رات دن میری سنت کے مطابق بناؤ۔''

مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ

جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے اسوہ حسنہ اور میری سنت و طریقے کو چھوڑا تو حقیقت میں اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یقیناً وہ شخص خسارے میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى .

یعنی جو میری اتباع کرے گا میری سنتوں پر چلے گا وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے نافرمانی کی داخل نہیں ہوگا (یعنی مسلمان ہے تو وہ ابتداء میں داخل نہیں ہوگا بلکہ سزا کے بعد داخل ہوگا)۔''

سنّت ہی صراطِ مستقیم ہے

وعن عبدالله بن مسعودؓ قال خط لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله وقال هذه سُبُلٌ على كل سبيل منها شيطان يدعوا اليه وقرأ وأنَّ هذا صراطي مستقيما فاتبعوه. الاية رواه احمد والنسائي والدارمي. (مشكوٰة)

''حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ہمیں سمجھانے کے لئے) ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا ''یہ اللہ کا راستہ ہے'' پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں کئی یعنی سات چھوٹے اور ٹیڑھے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان (بیٹھا ہوا) ہے۔ جو اپنے راستہ کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولاتتبعوا السبيل فتفرق بكم عن سبيله

(اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا اس کی
پیروی کرو۔"

خطِ مستقیم ہی صراطِ مستقیم ہے

سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدھی لائن کو سبیل اللہ فرمایا، یعنی وہ طریقہ جو سنت کے عین مطابق ہو، وہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اعمال و افعال کے مطابق ہو وہ طریقہ سنت کا ہے۔ اس سے مراد سبیل اللہ ہے، اس کا پیروکار کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ باقی راستے ادھر ادھر کے شیطان کے راستے ہیں۔ بدعت و رسومات کے راستے ہیں اور اختلاف کے راستے ہیں، صرف درمیان کا سیدھا راستہ سبیل اللہ ہے وہ ہے سنت کا راستہ۔

اہلِ حق ہمیشہ موجود ہونگے

عن ابی هريرة ﷺ قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم قال لا تزال طائفة من امتی
قوامة على امر الله لا يضرها من خالفها.

"حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے
فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ احکام الٰہیہ
پر قائم رہے گی جس کو مخالفین میں سے کوئی بھی
نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

فائدہ

مجاہدین، فقہاء و مجتہدین الغرض جو صدق دل و اخلاص سے سید الکونین ﷺ کی پیروی کرے گا اور کام کرنے کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و ائمہ کرام کو نمونہ بنائے گا تو وہ ہمیشہ کام کرتا رہے گا دشمن لاکھ کوشش کریں گے کہ اس جماعت منصورہ کو جڑ سے اکھاڑ دیں تو اللہ تعالیٰ اس جماعت کی مدد و نصرت کرے گا۔ یہاں تک کہ موت تک سرخرو ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جماعت میں شامل فرمائے۔ (آمین)

جو کہوں، جیسا کہوں، وہ کرو

عن ابی هریرة ﷺ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاذا امرتکم بشیئٍ فخذوا منه ما استطعتم و اذا نهیتکم من شیٍٔ فانتهوا۔

”حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر حتی المقدور عمل کرو اور جس چیز سے روک دوں اس سے رک جایا کرو۔“

فائدہ

حج فرض ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج کی ادائیگی کا حکم دیا تو ایک صحابی نے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا حج ہر سال فرض ہوگا یا اسی سال فرض ہے؟ صحابی نے نماز روزہ اور زکوٰۃ کے مکرر اور بار بار ادائیگی کی طرح سمجھتے ہوئے یہ سوال اٹھایا کہ کیا حج بھی بار بار فرض ہوگا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے سوال ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم پر یہ عبادت بھاری پڑ جاتی تم مشکل میں پڑ جاتے اس لئے خواہ مخواہ سوالات قیل و قال اور لایعنی سوالات میں مت پڑو۔ ورنہ بنی اسرائیل کی طرح تنگی و تخیکے شکار ہو جاؤ گے جس طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کی صفات اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق لایعنی اور فضول سوالات کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی اور خود بھی مشکل میں پھنس گئے۔

لہٰذا جس چیز کا حکم بغیر شرائط کے دوں تو اس کی شرائط نہ پوچھو اور اسی طرح جس چیز سے منع کر دوں تو اس کی جزئیات کی تفصیل پوچھے بغیر رک جاؤ۔

(تعلیقات مصباح ۱/۱۰)

سنّت کی روشنی تاقیامت رہے گی

عن عبدالرحمن بن عمروا سلمی انه سمع العرباض بن ساريةؓ يقول وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم موعظة ذرفت منها العيون و وجلت منها القلوب فقلنا يا رسول الله ان هذه الموعظة مودع فما ذا تعهد الينا قال قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها لايزيغ عنها بعدى الا هالك من يعش منكم فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بما عرفتم من سنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ وعليكم بالطاعة وان عبدا حبشيا فانما المؤمن كالجمل الانف حيث ما قيد انقيد. (ابن ماجه)

"حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو اسلمی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عرباض بن ساریہؓ کو فرماتے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو ایک نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھیں بہنے لگی اور دل دہل گئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا

کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ وعظ تو کسی رخصت کرنے والے کا سا معلوم ہوتا ہے تو آپ ہم سے کس بات کا عہد لیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو ایک روشن ماحول میں چھوڑ دیا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس سے صرف ہلاک ہونے والا ہی شخص بھٹک سکے گا۔ تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ عنقریب زبردست بہت زیادہ اور اختلافات کو دیکھے گا تو ایسے پر خطر ابتلاء کے وقت سلامتی اسی میں ہے کہ تم میری واضح اور متعارف سنتوں اور خلفاء الراشدین کی سنتوں پر مضبوطی سے جمے رہنا اور امیر کی اطاعت ضرور لازم پکڑ لینا اور چاہے تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ مؤمن نکیل والے اونٹ کی طرح ہے اس کو جس طرح لے چلو چل پڑتا ہے۔"

فائدہ

شریعت محمدی ﷺ واضح صاف اور شفاف راستہ کا نام ہے بدقسمت ہوگا وہ شخص جو ایسے کامل دین سے محروم رہے گا جس میں تاریکی ہے ہی نہیں

روشنی ہی روشنی ہے نور ہی نور ہے اب سرکارِ دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد بھی قیامت تک دین کامل اور روشن رہے گا جس میں ہر چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی ہر سنت کے محافظ

صحابہ کرام ﷺ نے محبوب ﷺ سے اس دین کو سیکھا اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم و عمل دونوں کے محافظ بنے۔ انہوں نے دین کو اپنے دماغ میں بھی محفوظ کیا اور اپنے اعضاء و جوارح میں عمل کی شکل میں بھی محفوظ کیا۔ گویا علم سینوں میں بھی محفوظ ہوا اور سفینوں میں بھی محفوظ ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں کی محافظ تھی۔ وہ عشاق کا مجمع تھا، اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی جماعت تھی۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے وہ خود بھی اسی طرح کرتے تھے۔ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرنے کا اس حد تک شوق ہوتا تھا کہ ان کی چال ڈھال اور گفتار رفتار ہر چیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک طریقے کے مطابق ہوتی تھی۔

باہر ملکوں سے تجربہ کار اور جہاں دیدہ قسم کے لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے کیلئے آتے تھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام محفل میں

تشریف فرما ہوتے تھے مگر سب لوگ اپنے ظاہر اعمال و افعال، گفتار و رفتار اور شخصیت میں اس قدر ایک جیسے ہوتے تھے کہ ان کو پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ میں سے اللہ کے نبی ﷺ کون ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ نقل اصل کے اتنا قریب ہو چکی تھی اور تابع اپنے متبوع کے اتنا قریب ہو چکے تھے کہ دونوں کے درمیان فاصلے سمٹ چکے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو پہچان نہیں ہوتی تھی۔

اتباع کی وجہ سے آقا اور غلام میں حیران کن مماثلت

ہجرت کے موقع پر جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ جاتے ہیں تو وہاں کے دید و دانش رکھنے والے لوگ دونوں حضرات کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ پہچان نہیں کر پاتے کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔ کیونکہ وہ دونوں ظاہری رفتار و گفتار اور کردار میں ایک جیسے نظر آرہے تھے۔ حتی کہ مدینے کے لوگ آگے بڑھ کر سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بھی مصافحہ کرتے رہے کیونکہ انہوں نے سوچا کہ محبوب ﷺ اس وقت تھکے ہوئے ہیں اس لئے ان کو مزید نہ تھکنا پڑے۔ پھر جب سورج نکلا اور اس کی کرنوں نے نبی ﷺ کے رخسار مبارک کے بوسے لئے تب وہ لوگ یہ

دیکھ کر حیران ہوئے کہ جس کو وہ اللہ کا نبی سمجھ کر مصافحہ کرتے رہے وہ اٹھے اور انہوں نے اپنی چادر اپنے محبوب ﷺ کے سر مبارک کے اوپر تان دی۔ تب پتہ چلا کہ آقا کون تھا اور غلام کون تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اتباع سنت

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے سفر پر چلے۔ راستے میں انہوں نے اپنی سواری کو ایک جگہ پر روکا، نیچے اترے اور ویرانے میں ایک طرف کو اس طرح گئے جیسے کوئی آدمی قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے، پھر ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ لگتا یوں تھا کہ فراغت حاصل کرنے کے لئے بیٹھے ہیں، مگر وہ فارغ نہیں ہوئے بلکہ ایسے ہی واپس آگئے اور اونٹ پر بیٹھ کر آگے چل پڑے۔ ساتھیوں نے پوچھا، حضرت آپ کے اس عمل کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑا ہے حالانکہ آپ کو فراغت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لئے نہیں رکا تھا کہ مجھے ضرورت تھی۔ بلکہ اصل میں بات یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی راستے سے سفر کیا تھا۔ اسی جگہ پر میرے محبوب ﷺ رکے تھے اور آپ نے اس جگہ پر جا کر قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی تھی۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی محبوب ﷺ کے اس عمل کے مطابق اپنا عمل کرلوں۔ اس

سے اندازہ لگائیے کہ وہ نبی علیہ السلام کی اداؤں کے کتنے محافظ تھے۔ وہ جو کچھ بھی محبوب ﷺ کی زبان سے سنتے تھے یا ان کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

اصحابِ رسول ﷺ کا فرمان نبوی ﷺ کی حیرت انگیز پیروی

مسجد نبوی ﷺ کا ایک دروازہ تھا۔ جہاں سے اکثر عورتیں آیا کرتی تھیں اور جب عورتیں نہیں ہوتی تھیں تو کبھی کبھی مرد بھی اس دروازے سے آجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کتنا اچھا ہوتا کہ اس دروازے کو عورتوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ یہ سن کر مردوں نے اس دروازے سے آنا چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کو سننے کے بعد پوری زندگی میں کبھی بھی اس دروازے سے مسجد نبوی ﷺ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

سبحان اللہ، ان کا ایک ایک کام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں کا مظہر ہوا کرتا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا عشق عطا فرمایا تھا کہ ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ہر بات یاد رہتی تھی۔ انہوں نے اپنے دماغوں میں بھی اس علم کو یاد رکھا اور اپنے جسم کے اعضاء پر بھی اس علم پر عمل کے ذریعے سے یادیں تازہ رکھیں۔

ایک حبشی صحابی رضی اللہ عنہ اور اتباع سنت

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ وہ جب بھی نہا کر نکلتے تو ان کا جی چاہتا تھا کہ میں بھی اپنے سر میں اسی طرح درمیان میں مانگ نکالوں جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نکالا کرتے ہیں۔ لیکن حبشی نژاد ہونے کی وجہ سے ان کے بال گھنگھریالے، چھوٹے اور سخت تھے، اس لئے ان کی مانگ نہیں نکل سکتی تھی۔ وہ اس بات کو سوچ کر بڑے اداس سے رہتے تھے کہ میرے سر کو میرے محبوب ﷺ کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔ ایک دن چولہا جل رہا تھا۔ انہوں نے لوہے کی ایک سلاخ لے کر اس آگ میں گرم کی اور اپنے سر کے درمیان میں اس سلاخ کو پھیر لیا۔ گرم سلاخ کے پھیرنے سے ان کے بال بھی جلے اور جلد بھی۔ اس سے زخم بن گیا۔ جب زخم درست ہوا تو ان کو اپنے سر کے درمیان میں ایک لکیر نظر آتی تھی۔ لوگوں نے کہا، تم نے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ وہ فرمانے لگے کہ میں نے تکلیف تو برداشت کر لی ہے لیکن مجھے اس بات کی اب بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ میرے سر کو اب محبوب ﷺ کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نصیب ہو گئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اتباعِ سنت کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایرانیوں کے دسترخوان پر غیر مسلم ایرانیوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے تو ایک نوالہ ان کے ہاتھ سے گر گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو اٹھا کر کھانا چاہا تو ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور کہا کہ لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے، لیکن چونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمدن سے محبت تھی اور اس پر فخر تھا۔ اس لئے انہوں نے بے دھڑک ایسا مثالی جواب دیا جو تاریخ کے صفحات پر آج بھی محفوظ ہے اور قیامت تک آنے والے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رہنمائی کا پیغام ہے، فرمایا:

”میں ان بے وقوفوں کی وجہ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دوں یہ ناممکن ہے“۔

مگر افسوس! آج کا مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور سنتوں کو پس پشت ڈال کر زندگی کفار کے طریقوں پر گزار رہے ہیں تو آخرت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنی زندگیوں میں اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع سنت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شام میں تھے۔اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی۔ان کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، اور ایک تاریخ متعین کرلی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو اس وقت میں فوراً حملہ کردوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی۔پھر کہیں جا کر لشکر روانہ ہوگا۔اور یہاں آنے میں وقت لگے گا۔اس لئے معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہوگا، اس لئے وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں گا، اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کردوں گا تو جلد ہی فتح حاصل ہوجائے گی۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندران کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملے کے لئے تیار ہو گئے اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیدیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں:

الله اکبر، الله اکبر،

قفوا عباد الله قفوا عباد الله.

اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ:

وفاء لا غدر وفاء لا غدر

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں، عہد شکنی نہیں، حضرت معاویہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے۔ میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چہ جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی۔

لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں۔ اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کر دیا تھا، اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی، اور میں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

من کان بینہ و بین قوم عھد فلا یحلنہ و لا یشدنہ الی ان یمضی اجل لہ او ینبذ الیھم علی سواء. (جامع ترمذی)

''یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو، تو اس وقت تک عہد نہ کھولے، اور نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے۔ یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان کر دے کہ ہم نے وہ عہد ختم کر دیا، (لہٰذا مدت گذرنے سے پہلے اس عہد کے ختم کرنے کا اعلان کئے

بغیر ان کے علاقے کے پاس لیجا کر فوجوں کو ڈال دینا
حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے
جائز نہیں تھا۔)"

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا

اب آپ اندازہ لگایئے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جا رہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کر چکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے۔ وہ سب واپس کر دو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کر دیا، اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آ گئے۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بنا پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ حاصل کرنا پیش نظر نہیں تھا۔ کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی۔ بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لئے واپس لوٹ گئے۔ یہ ہے

وعدہ کہ جب زبان سے بات نکل گئی، تو اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

کامیابی اتباع سنت میں ہے

ہماری دنیا و آخرت کی صلاح اور فلاح اور کامیابی کا دارومدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ہے، لہٰذا جو آپ کی سنت ہو، اس پر عمل کرو، آپ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، یعنی آپ نے جس طرح زندگی گزاری ہے، جس میں آپ نے تمام اہل حقوق کو ان کا حق دیا، اپنے نفس کا حق ادا کیا، اپنے گھر والوں کا حق ادا کیا، اپنے ملنے جلنے والوں کا حق ادا کیا، اپنے دوست واحباب کا حق ادا کیا، اس طرح تم بھی حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارو، ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کا شائبہ پیدا ہو جائے، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو۔

زندگی بھر روزہ رکھنے، رات بھر جاگنے اور شادی نہ کرنے کا عزم

ایک حدیث میں آتا ہے کہ چند صحابہ کرام تشریف فرما تھے، انہوں نے آپس میں یہ گفتگو شروع کی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اتنا اونچا

مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتا، اور آپ گناہوں سے معصوم ہیں، آپ سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی، اور اگر کوئی بھول چوک ہو تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ :

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

(سورۃ الفتح: ۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی بھول چوک بھی معاف کر دی ہیں، لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے آپ تو سو بھی جاتے ہیں، اور دن میں افطار بھی کر لیتے ہیں، لیکن ہمیں تو جنت کی بشارت نہیں ملی ہے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہوئی ہے، اس وجہ سے ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، اس گفتگو کے بعد ان میں سے ایک صحابی نے یہ کہا کہ میں آج سے رات کو نہیں سوؤں گا، بلکہ ساری رات تہجد پڑھا کروں گا۔ دوسرے صحابی نے کہا کہ اب میں ساری زندگی روزے رکھوں گا، کوئی دن بھی روزے کے بغیر نہیں گزاروں گا۔

تیسرے صحابی نے کہا کہ زندگی بھر شادی نہیں کروں گا، تا کہ میں بیوی بچوں میں مشغول ہونے کے بجائے عبادت میں مشغول رہوں گا، اور عبادت سے غافل نہ ہوں گا۔

کوئی شخص نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا

اب آپ دیکھئے کہ ان تین صحابہ نے جو ارادے کئے وہ نیکی کے ارادے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ ان صحابہ کرام نے یہ ارادے کئے ہیں، تو آپ نے ان تینوں کو بلوایا، اور ان سے فرمایا کہ :

أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ .

یعنی اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت مجھے حاصل ہے، اتنی معرفت کائنات میں کسی کو حاصل نہیں، اور اللہ کا خوف اور تقویٰ جتنا اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے، کائنات میں کسی کو اتنا تقوی حاصل نہیں، اس کے باوجود میں سوتا بھی ہوں، اور رات کو اٹھ کر نماز بھی پڑھتا ہوں، کسی دن روزہ رکھتا ہوں، کسی دن روزہ نہیں رکھتا، اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ یاد رکھو! اسی سنت میں تمہارے لئے نجات ہے۔

فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ .

”اگر کوئی شخص میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ مجھ سے نہیں ہوگا“۔

فائدہ

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ دنیا و آخرت کی ساری صلاح اور فلاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع میں ہے، کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نبی سے آگے بڑھ جاؤں، یاد رکھیے! کوئی شخص بھی نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حقوق کی ادائیگی کا نام اتباع سنت ہے

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عبادت فرض کی ہے، اور عبادت کی ترغیب دی ہے، اسی طرح تم پر کچھ حقوق بھی عائد کیے ہیں، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے ملنے جلنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، جب تم ان تمام حقوق کی ادائیگی ایک ساتھ کرو گے تو تمہیں اتباع سنت نصیب ہوگی۔ لیکن اگر راہبوں کی طرح جنگل میں جا کر بیٹھ گئے اور یہ کہا کہ میں دنیا کو چھوڑ کر یہاں پر "اللہ اللہ" کروں گا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع نہیں ہے۔

دین اتباع کا نام ہے

یاد رکھیے! اپنی خواہش اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ دین نام ہے اتباع کا، اللہ کے حکم کی اتباع، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نام "دین" ہے، لہٰذا جس وقت اللہ اور اللہ کے رسول کا جو حکم آجائے اور آپ کی اتباع کا جو تقاضا ہو، وہی خیر ہے اور وہی اطاعت ہے، اور اسی میں ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے، اپنی طرف سے کوئی راستہ مقرر کر کے چل پڑنا کہ میں تو یہ کروں گا، یہ بات صحیح نہیں۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو، اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، مجھے تو وہ کام کرتے ہوئے شرم آتی ہے، تو گویا وہ شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اونچا مقام ہے، میں بڑا آدمی ہوں، اس لئے یہ کام میں نہیں کرتا۔ العیاذ باللہ.

یہ بھی درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے میں داخل ہے، اس کی متعدد مثالیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات میں ملتی ہیں۔

دورانِ بارش گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جب بارش ہو رہی ہو، اور کیچڑ اتنا زیادہ ہو جائے کہ لوگوں کو اس میں چلنے میں بہت زیادہ دقت ہو، اور پھسلنے کا اندیشہ ہو، پاؤں لت پت ہو جائے، اور کپڑے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے ایسے موقع پر رخصت دی ہے کہ مسجد کے بجائے آدمی گھر میں نماز پڑھ لے۔ اب آج کل ہم لوگ شہر میں رہتے ہیں، جہاں گلیاں اور سڑکیں پکی بنی ہوئی ہیں، اس لئے یہاں بارش ہونے سے یہ صورتِ حال پیدا نہیں ہوتی کہ اتنا کیچڑ ہو جائے کہ آدمی کے لئے چلنا دشوار ہو جائے۔ لیکن جہاں کچے مکانات اور کچی گلیاں ہوں، وہاں آج بھی یہ حکم موجود ہے کہ ایسی صورت میں جماعت معاف ہو جاتی ہے، اور آدمی کے لئے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اتباعِ سنت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں، وہ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھے تھے، اذان کا وقت ہو گیا، اور ساتھ ہی تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، مؤذن نے اذان دی، اس کے بعد آپ نے مؤذن سے کہا کہ یہ اعلان کر دو کہ

الصلوٰۃ فی الرحال یعنی سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ الفاظ ثابت ہیں کہ ایسے موقع پر یہ اعلان کر دینا چاہئے۔ اب لوگوں کے لئے یہ بات بڑی اجنبی تھی، اس لئے کہ ساری زندگی تو دیکھتے آرہے تھے کہ مسجد سے تو یہ اعلان ہوتا ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح" نماز کے لیے آؤ، کامیابی کے لئے آؤ، لیکن یہاں الٹا اعلان ہو رہا ہے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو، چنانچہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کیا کہ حضرت! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ لوگوں کو مسجد میں آنے سے منع کر رہے ہیں؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

نعم! فعل ذالک من ھو خیر منی و منک.

ہاں میں ایسا ہی اعلان کراؤں گا، کیونکہ یہ اعلان اس ذات نے بھی کرایا ہے، جو مجھ سے بھی بہتر ہے، اور تم سے بھی بہتر ہے، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے تو اعلان کرنا برا لگتا ہے، اور مجھے ایسا اعلان کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی

کوشش کر رہا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا، اور یہ رخصت دی، اور کوئی یہ کہے کہ میں یہ رخصت نہیں دیتا، مجھے یہ اعلان کرنا برا لگتا ہے، بہر حال! دین کے کسی بھی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی تعلیم سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے سے سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

ہر حال میں رسول کا حکم مانو

قرآن کریم میں ارشاد ہے :

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ
أَمْرًا أَيَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ .

(الاحزاب)

"یعنی اللہ اور اللہ کا رسول جب کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مؤمن مرد یا عورت کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار نہیں رہتا۔ (اگر مؤمن ہے تو پھر اس حکم کو ماننا ہی ہوگا، اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ میری عقل ناقص ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کامل ہے، لہٰذا مجھے اس کے آگے سر جھکانا ہے۔)"

فائدہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات بتائیں، یا کسی بات کا حکم دیں، اور تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہو کہ یہ حکم کیوں دیا گیا؟ اس حکم کی حکمت اور مصلحت سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو ایسی صورت میں اگر تم اپنی عقل کے پیچھے چلو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول کو رسول ماننے سے انکار کر دیا، رسول تو بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ جہاں تمہاری عقل کام نہیں کر رہی تھی، وہاں پر رسول وحی کی رہنمائی سے تمہیں بہرہ ور کرے۔ اس سے ہمیں یہ ہدایت ملی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی بات کا حکم دیدیں، چاہے قرآن کریم کے ذریعہ حکم دیں، یا حدیث کے ذریعہ حکم دیں کہ فلاں کام کرو، یا فلاں کام نہ کرو، تو اب چاہے، اس حکم کی علت، اور اس کی حکمت، اور فائدہ تمہاری سمجھ میں نہ آرہا ہو، پھر بھی تمہارے ذمہ لازم ہے کہ اس پر عمل کرو۔

حکم رسول ﷺ پر عمل کرنے کا انعام

جو انسان دین میں عقلی گھوڑے دوڑاتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور جو آنحضرت ﷺ کے حکم پر عمل کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرماتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حدیث بیان

کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات میں حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے دریافت فرمایا علی رضی اللہ عنہ اتنی رات گئے گھر سے کیوں نکلے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بھوک نے گھر سے نکالا، نیند نہیں آرہی تھی، کچھ دور آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ صحابہ بھی بیٹھے ہیں ان سے جب دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی عذر پیش کیا، سامنے ایک کھجور کا درخت تھا۔ سردی کا موسم تھا، حالانکہ سردی کے موسم میں کھجور نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! اس درخت سے کہو کہ اللہ کا رسول کہتا ہے کہ ہمیں کھجوریں کھلاؤ۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ درخت کے قریب گئے اور فرمایا اے درخت! اللہ کا رسول کہتا ہے کہ ہمیں کھجور کھلاؤ۔ حدیث میں ہے کہ درخت کے پتوں سے کھجوریں گرنے لگیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دامن بھرا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عظیم رتبہ اتباع رسول ﷺ کے نتیجے میں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اخلاق کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ ان اخلاق کو پاک کرنے کا طریقہ وہی ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اختیار فرمایا، وہ ہے

"نیک صحبت"، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی صحبت کے نتیجے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق کو معتدل بنادیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کے حوالے کردیا، اس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے آپ کو اصلاح کے لیے پیش کیا اور یہ تہیہ کرلیا کہ جو کچھ آپ ﷺ سے سنیں گے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہوا دیکھیں گے، اپنی زندگی میں اس کی اتباع کریں گے اور آپ ﷺ کی ہر بات مانیں گے۔ اب حضور اقدس ﷺ ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہے ہیں، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، ان کے حالات آپ ﷺ کے سامنے ہیں، بعض اوقات خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے حالات آپ کے سامنے آکر بیان کرتے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دل میں اس کام کا خیال پیدا ہوا، میرے دل میں اس کام کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے جواب میں آپ ﷺ فرماتے کہ تم فلاں کام اس حد تک کرسکتے ہو، اس سے آگے نہیں کرسکتے، چنانچہ رفتہ رفتہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں یہ ہوا کہ وہ اخلاق جو سرکار دوعالم ﷺ لے کر تشریف لائے تھے، وہ اخلاق ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منتقل ہوگئے۔

زمانہ جاہلیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا غصہ

زمانہ جاہلیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوم ایسی قوم تھی جس کا غصہ حد سے گزرا ہوا تھا، ذرا سی بات سے آپس میں جنگ چھڑ جاتی اور بعض اوقات چالیس چالیس سال تک وہ جنگ جاری رہتی، لیکن جب وہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایسے موم بن گئے کہ پھر جب ان کو غصہ آتا تو صحیح جگہ پر آتا اور حد کے اندر رہتا، جتنا غصہ آنا چاہئے اتنا ہی غصہ آتا، اس سے آگے نہیں آتا۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے کہ اگر ان کو غصہ آ گیا تو ہماری خیر نہیں، اسی غصے کے عالم میں ایک مرتبہ اپنے گھر سے نکلے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور کوئی نیا دین لے کر آئے ہیں اور پرانے دین کو غلط قرار دیتے ہیں، لہٰذا میں ان کا سر قلم کروں گا۔ لمبا قصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے کان میں قرآن کریم کی آیات ڈال دیں اور ان آیات قرآنی کو انقلاب کا ذریعہ بنا دیا اور دل میں اسلام گھر کر گیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پوری جان نچھاور کر دی۔

اتباع رسول کا نتیجہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتدال

پھر جب سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں تشریف لے آئے اور آپ کی صحبت اٹھائی تو وہ غصہ جو انتہاء سے گزرا ہوا تھا، اس غصے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تربیت سے اور اپنے فیض صحبت سے ایسا معتدل کر دیا کہ جب آپ خلیفہ اور امیر المؤمنین بن گئے تو ایک دن جب آپ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، اس وقت آپ کے سامنے رعایا کا بہت بڑا مجمع تھا، اس مجمع میں آپ نے ایک سوال کیا تو جواب دینے کے لئے ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اے عمر! اگر تم ٹیڑھے چلو گے تو ہم اپنی تلوار سے تمہیں سیدھا کریں گے۔ یہ بات اس شخص سے کہی جا رہی ہے جس کی آدھی دنیا پر حکومت ہے، کیونکہ زمین کا جتنا حصہ ان کے زیر حکومت تھا، آج اس زمین پر پچیس حکومتیں قائم ہیں، لیکن اس دیہاتی کے الفاظ پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو غصہ نہیں آیا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ فرمایا کہ: اے اللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دیں۔

بہر حال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وہ غصہ جو زمانہ جاہلیت میں

ضرب المثل تھا، سرکار دو عالم ﷺ کی صحبت اور تربیت اور اتباع کے اثر سے وہ غصہ معتدل ہوگیا۔

اتباعِ سنت آسان راستہ

بعض لوگوں کی طبیعت سخت کوشی کی ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مشقت کا کام کریں۔ بلکہ مشقت ڈھونڈتے ہیں، اس لئے ڈھونڈتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں زیادہ ثواب ہے، چونکہ بہت سے بزرگوں سے بھی اس قسم کی باتیں منقول ہیں، لہٰذا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن سنت کا طریقہ وہ نہیں، سنت کا طریقہ یہ ہے جو حدیث میں منقول ہے کہ:

ماخیر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بین امرین قط الا اخذ ایسر ھما۔ (صحیح بخاری)

جب حضور اقدس ﷺ کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا آسانی اختیار کرنا، معاذ اللہ تن آسانی کے لئے تھا؟ اور کیا مشقت اور تکلیف سے بچنے کے لئے یا دنیاوی راحت اور آرام حاصل کرنے کے لئے تھا؟ ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں یہ تصور

بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ تن آسانی اور راحت و آرام حاصل کرنے کے لئے آسان راستہ اختیار فرماتے تھے۔ لہٰذا اس کی وجہ وہی ہے کہ آسان راستہ اختیار کرنے میں عبدیت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں ہے۔ بلکہ شکستگی ہے، میں تو عاجز بندہ ہوں، ناکارہ ہوں۔ میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں، یہ بندگی کا اظہار ہے، اور اگر مشکل راستہ اختیار کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری جتاتا ہے۔

دین کی بنیاد "اتباع" پر کھڑی ہوتی ہے

دین کی ساری بنیاد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں۔ کسی خاص شوق کا نام دین نہیں۔ اپنے معمولات پورے کرنے کا نام دین نہیں۔ اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں، دین نام ہے ان کی اتباع کا، وہ جیسا کہیں ویسا کرنے کا نام دین ہے۔ ان کو جو چیز پسند ہے، اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے، اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے، وہ جیسا کرا رہے ہیں، وہی بہتر ہے، یہ جو صدمہ اور حسرت ہوتی رہتی ہے کہ ہم تو بیمار ہوگئے۔ اس واسطے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھی جا رہی ہے، لیٹ کر پڑھ رہے ہیں، یہ صدمہ کرنے کی بات نہیں، ارے اللہ تعالیٰ کو وہی پسند ہے، اور جب یہی پسند ہے تو اس وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ کرو۔

اور ان کو ویسا ہی کرنا پسند ہے۔ اگرچہ اس وقت تم کو زبردستی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پسند ہے۔ لیکن اپنی تجویز کو فنا کر دینے اور اللہ جل جلالہ نے جیسا مقدر کر دیا اس پر راضی رہنے کا نام بندگی ہے۔ اپنی طرف سے تجویز کرنا کہ یوں ہوتا تو یوں کر لیتا۔ یہ کوئی بندگی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اتباع رسول

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے۔ ایک یہودی نے آپ کے سامنے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا، العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ فوراً اس کو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ اب میرا قابو تو ان کے اوپر نہیں چل رہا ہے۔ اس نے لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جیسے کہاوت ہے کہ ”کھسیانی بلی کھمبا نوچے“۔

لیکن جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا۔ آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت! اس نے اور زیادہ گستاخی کا کام کیا کہ آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ ایسے میں آپ اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

بات اصل میں یہ ہے کہ پہلے اس پر جو میں نے حملہ کیا تھا، اور اس کو

مارنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں کیا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آگیا، اور میں نے اس کو گرادیا۔ لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا اب مجھے اور زیادہ غصہ آیا لیکن اب اگر میں اس غصہ پر عمل کرتے ہوئے اس سے بدلہ لیتا تو یہ بدلہ لینا حضور اقدس ﷺ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا اور اسی وجہ سے ہوتا کہ چونکہ اس نے میرے منہ پر تھوکا ہے۔ لہٰذا میں اس کو اور زیادہ ماروں تو اس صورت میں یہ غصہ اللہ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا۔ اس وجہ سے میں نے اس کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔

فائدہ

یہ درحقیقت اس حدیث مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ. پر عمل فرما کر دکھا دیا۔ گویا کہ غصہ کے منہ میں لگام دے رکھی ہے کہ جہاں تک اس غصہ کا شرعی اور جائز موقع ہے۔ بس وہاں تک تو غصہ کرنا ہے، اور جہاں اس غصہ کا جائز موقع ختم ہو جائے تو اس کے بعد آدمی اس غصے سے اس طرح دور ہو جائے کہ جیسے کہ اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انہیں حضرات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے:

كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِ اللّٰهِ .

یعنی یہ اللہ کی حدود کے آگے ٹھہر جانے والے لوگ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اتباع رسول ﷺ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آرہا ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا جو حکم دیا یہ غصے کی وجہ سے دیا اور غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جگہ تو مسجد کی ہے کسی کی ذاتی جگہ نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں لگا تھا اور آپ کی خاص اجازت سے میں نے لگایا تھا۔ آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس ﷺ نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا کے لئے میرے ساتھ آؤ۔

چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے۔ وہاں جا کر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوالوں گا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑے۔ مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا۔ اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگاؤ۔ وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے۔ جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے، انہوں نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگا دیا ہے۔ اگرچہ اب اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر موجود ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

اسلامی

آدابِ زندگی

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا **حسین احمد مدنی** رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد المؤمنین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا **حماد اللہ ہالیجوی** رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

اگر لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھالیا جائے

عَنْ جَابِر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِذَا أَکَلَ أَحَدُکُمْ طَعَاما فَسَقَطَتْ لُقْمَتُہٗ فَلْیُمِطْ مَا رابہٗ مِنْھَا ثُمَّ لِیَطْعَمْھَا وَلاَ یَدَعْھَا لِلشَّیْطَانِ.

(ترمذی ج ۲ ص ۲ ، ۳)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے، پس (کھانے کے دوران) لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس پر جو چیز لگ جائے، اس سے لقمے کو صاف کر کے کھالے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلٰوة علٰی افضل الرسل واکرم.

وعلٰی آلہٖ وصحبه وبارک وسلم. اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قال اللّٰہ تعالٰی:

یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث.

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں، اور گندی چیزوں کو حرام بتاتے ہیں۔

جاہلیت کا غلیظ معاشرہ

اللہ رب العزت نے انسان پر بڑا کرم ورحم فرمایا کہ انہیں غلاظت اور اندھیری کی زندگی سے نکالنے کے لئے ایک ایسے شفیق نبی ﷺ کا

بندوبست فرمایا کہ میرے بندوں کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھادو۔ تاکہ دنیا کے اندر پاک معاشرہ قائم کریں۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں پر دن رات ایک کر کے محنت کی جن کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا۔ ایسا بگڑا ہوا معاشرہ کہ کوئی ان کو اپنی مملوکیت میں لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے نور سے ان کے دلوں کو منور فرمایا تو ایسا پاک معاشرہ ان کے اندر قائم ہوا کہ اور لوگ انہی سے مہذب زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھنے لگے۔ اس محنت کا ثمرہ تھا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن رات ایک کر کے ان پر فرمائی تھی ورنہ اس سے پہلے نہ حرام کی پہچان نہ حلال کی۔ جو حرام چیزیں تھیں انہیں بے دھڑک استعمال میں لاتے تھے۔ جو حلال چیزیں تھیں انہیں اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے۔

حلال وحرام کا معیار وحیٔ الٰہی

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء ويتركون اشياء تقذرًا فبعث الله نبيه وانزل كتابه واحل حلاله و حرم حرامه وماسكت عنه فهو عفو الا ان يكون ميتة .(ابو داؤد)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے عرب) کچھ چیزوں کو (طبعی خواہش اور رغبت کی بناء پر) کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو (طبعی نفرت اور کراہت کی بنیاد پر) نہیں کھاتے تھے۔ (اسی طرح ان کی زندگی چل رہی تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی اور جو چیزیں عند اللہ حلال تھیں ان کا حلال ہونا بیان فرمایا اور جو حرام تھیں ان کا حرام ہونا فرمایا۔ (پس جس چیز کو اللہ و رسول نے حلال بتلایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام بتلایا ہے وہ حرام ہے) اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے (یعنی ان کا حلال یا حرام ہونا بیان نہیں فرمایا گیا) وہ معاف ہے۔ (یعنی اس کے استعمال پر مواخذہ نہیں)۔''

الا یہ وہ مردار ہو (وہ حرام ہے اور اس کے استعمال پر مواخذہ بھی ہے)

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بطور سند یہ آیت تلاوت فرمائی۔

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة اَو دما مسفوحا او لحم خنزیز فانه رجس او فسقا اُهل لغیر اللّٰه به، فمن اضطر غیر باغ و لا عادٍ فان ربک غفور رحیم.(سورہ انعام: آیت/۱۴۵)

"(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو۔ الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کیونکہ وہ ناپاک ہے یا جو ایسا گناہ کا جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور ہو جائے، جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے بعد کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا معیار وحی الٰہی اور خدا اور رسول کا حکم ہے کسی کی پسند و ناپسند اور رغبت و نفرت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

وہ درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں

عن ابن عباس قال نهىٰ رسول الله صلى الله

عليه وسلم عن كل ذى ناب من السباع و

كل ذى مخلب من الطير. (رواه مسلم)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے ہر کچلی

والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنجہ والے)

پرندے کے کھانے سے۔''

فائدہ:

یعنی وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، اسی طرح کتا، اور بلی۔ ان سب کے نوکیلے دانت ہوتے ہیں، جس کو عربی میں (ناب) اور اردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں۔ وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے۔ اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین ان کا جارحہ وہ پنجہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بے چارے شکار کو یہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب

چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو مخلب یعنی پنجہ سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے کھانے سے منع فرمایا ہے یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خبائث میں شامل ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں ارشادات نبوی پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

ہر پیغمبر نے اپنے ماننے والوں کو لوازمات زندگی پوری کرنے کے لئے کچھ اصول کچھ آداب دیئے تھے۔

اسی طرح پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنی امت کو ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے کچھ ہدایات دیں ہیں۔

جن میں سے کھانے پینے کی چیزیں ہیں یہ دو اہم ضرورتیں ہیں زندگی کو خوش اور صحت مند رکھنے کے لئے کیونکہ کھائے پیئے بغیر زندگی بے لطف اور ادھوری رہ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بغیر کھائے پئے زندہ رکھے لیکن دنیا دارالاسباب ہے۔ اسباب کو اللہ کے حکم سے اور حضرت محمد ﷺ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ہے۔

حلال اور حرام کی تفصیل

جن میں سے کھانے اور پینے کے متعلق جو اللہ کا حکم اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ہمیں ملی ہیں کہ ان چیزوں کو کھانا ہے جن کے کھانے کا حکم ملا ہے ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہ لگائیں گے جن کا کھانا یا پینا حرام ہے۔

کھانے پینے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ ہے جن کا تعلق حلت اور حرمت سے ہے۔

دوسرا وہ جن کا تعلق خورد ونوش کے آداب سے ہے، جس میں تہذیب وسلیقہ اور وقار وغیرہ شامل ہے یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر وشکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ کھانے پینے کی حکمت اور حرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

یحل لهم الطیبات و یحرم علیهم الخبائث.

(سورہ اعراف: ۵۷)

''نبی کریم ﷺ اچھی اور پاکیزہ چیزوں (الطیبات) کو
اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب
اور گندی چیزوں (الخبائث) کو حرام قرار
دیتے ہیں۔''

قرآن وحدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلت وحرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہیں جن چیزوں کو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے ان میں فی الحقیقت کسی نہ کسی وجہ سے ظاہری یا باطنی خبائث اور گندگی ضرور ہے۔

اسی طرح جن چیزوں کو آپ نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

قرآن مجید میں پینے والی چیزوں میں سے صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

احادیث میں اس کے بارے میں مزید تفصیلی اور تاکیدی احکام ہیں۔اور غذائی چیزوں کی حرمت کا قرآن پاک میں واضح اعلان فرمایا گیا

میتۃ (مردار کی حرمت)

میتہ. یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ

انسان کی فطرت سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اس سے گھن کرتی ہے بلکہ طبی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے۔ کیونکہ علماء طب نے کہا ہے کہ حرارت کے گھٹ جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہو جانے سے اس میں نقصان دہ اثرات آ جاتے ہیں۔

خون اور خنزیر کھانے کی حرمت

دم: یعنی خون کا بھی یہی حال ہے کہ فطرت سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی ہے اور شریعت میں اس کو قطعاً ناپاک اور نجس العین قرار دیا گیا ہے اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب وجلال نے بعض سخت مجرم اور بدکردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا۔

فجعل منهم القردة والخنازير. (المائدہ: ۶۰)

''جن میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور کچھ کو سور بنایا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث وملعون ہیں اور خدا کی لعنت وغضب کا مظہر ہیں اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے البتہ بندر کو غالباً دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے طبقات اور اقوام وملل کا اتفاق ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا، بخلاف خنزیر کے

کہ بہت سی قوموں نے خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنالیا ہے۔

اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت و تاکید سے اعلان فرمایا گیا اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے جب کہ آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے اور اسی وقت اس بات کا پورا یقین ہوگا کہ ان کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کس قدر مخالفت کی ہے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی حرمت

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآن مجید میں ما اهل لغير الله به کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اس لئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔ الغرض یہ چار چیزیں ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ان کے

علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الٰہی کا تکلم ہے۔

کھانے پینے کے آداب

جیسا کہ ماقبل میں وضاحت کی گئی تھی کہ حضور انور ﷺ نے جس طرح ہمارے بہت سارے اور معاملات میں بے تحاشا رہنمائی فرمائی ہے، اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی سینکڑوں احادیث کے ذریعے سے ہماری بے مثال رہبری فرمائی ہے۔ بنیادی طور پر آپ ﷺ نے کھانے پینے کے آداب بتائے جن کا تعلق تہذیب وسلیقہ اور وقار سے ہے یا ان میں بھی مصلحت ملحوظ ہے یا ان کا تعلق اللہ کے ذکر وشکر سے ہیں اور ان کے ذریعے کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفسِ حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے، روحانی ونورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنادیا ہے۔ یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ جن آداب کی تعلیم وتلقین ابھی کچھ احادیث میں بیان کی جائے گی ان کا درجہ استحباب واستحسان کا ہے اس لئے اگر اس پر عمل نہ ہوا تو کوئی گناہ کی بات نہ ہوگی البتہ عمل کرنے پر جو برکات ہوں گی ان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ قَالَ : لاَ یَأْکُلُ أَحَدُکُمْ بِشِمَالِہٖ ولاَ یَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ. فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْکُلُ بِشِمَالِہٖ ویَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ

(ترمذی ج ۲ ص ۲).

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔"

فائدہ

آنحضرت ﷺ نے کھانے کے چند آداب بیان فرمائے ہیں جو فطرتِ انسانی کے موافق ہیں، جن کے ذریعے کھانے کی برکتیں نصیب ہوتی ہیں، اور کھانا قربِ خداوندی کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور ان آداب کی رعایت سے اخلاقِ فاضلہ میسر آتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کھانا اور پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہئے، بائیں ہاتھ سے نہیں، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم فرمایا تاکہ ان کا کھانا پینا فطرتِ انسانی کے مطابق ہو، اور بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو منع فرمایا تاکہ ان کا یہ عمل شیطانی فطرت کے مطابق نہ ہو، گویا دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا اور پینا حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ہے، جو کہ صحیح انسانی فطرت کے ترجمان تھے، اور بائیں ہاتھ سے کھانا اور پینا شیطان کی تقلید ہے، جو انسانی فطرت کی ضد ہے، دائیں ہاتھ کو حق تعالیٰ نے اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور بائیں ہاتھ کو گندی چیزوں کے صاف کرنے کے لئے بنایا ہے، مثلاً: ناک صاف کرنا، استنجا وغیرہ۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا داہنا ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے تھا، اور آپ ﷺ کا بایاں ہاتھ استنجا کرنے کے لئے اور ایسی چیزوں کے لئے تھا جن سے کراہت آتی ہے۔ (مثلاً: ناک صاف کرنا، وغیرہ)۔ (مشکوٰۃ ص۴۲)

لہٰذا کھانے پینے کے لئے دائیں ہاتھ کا استعمال صحیح انسانی فطرت ہے، اور اس کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال انسانی فطرت کے

خلاف اور شیطانی فطرت کے موافق ہے، پس جو شخص دائیں ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا کام لے گا وہ اولیاء الرحمٰن میں سے نہیں، بلکہ اولیاء الشیطان میں شامل ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ:

والّذین کفروا اولیائھم الشیطٰن یخرجونھم من النور الی الظلمات.

''شیطان اپنے دوستوں کو نور سے ظلمت کی طرف نکالتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ جس شخص کو دائیں بائیں کی بھی تمیز نہ رہے، اور کھانے اور استنجے کے درمیان بھی فرق نہ کرسکے، وہ سراسر تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور شیطان جس طرح کھانے پینے کے معاملے میں اس کو اپنی شیطانی فطرت پر چلا کر اندھیروں میں ڈالتا ہے، اسی طرح دوسرے کاموں میں اور دیگر آدابِ زندگی میں بھی اس کو اپنی اسی شیطانی فطرت پر چلائے گا اسی بناء پر ہماری شریعت نے، جو انسانی فطرت کی اعلیٰ ترین ترجمان ہے، بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو مکروہ اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے، جیسا کہ دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنے اور استنجا کرنے کو مکروہ اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے، الا یہ کہ کسی شخص کو کوئی عذر لاحق ہو تو مجبوری ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ علوم عطا فرمائے جن تک عقلِ انسانی کی رسائی نہیں، مثلاً: فرشتوں کے اخلاق وعادات، شیطان کے اوصاف واطوار، اور انسانی فطرت کے اخلاق وآداب کا علم عظیم عطا فرمایا تھا، اور یہ علم، علم نبوت ہے کہ ساری انسانیت اس علم کے حصول میں آنحضرت ﷺ کی محتاج ہے کہ یہ علمِ عظیم جو انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے، صرف آنحضرت ﷺ ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے، اور آپ ﷺ کے سوا اس علم تک رسائی کا کوئی ذریعہ نہیں، کیونکہ محض عقل سے یہ چیزیں معلوم نہیں ہوسکتیں۔

پس مبارک ہیں وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کا دامن پکڑیں، ان علوم کی قدر پہچانیں، اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کو سرمایہ صد افتخار سمجھیں، اور بہت ہی بدقسمت اور محروم ہیں وہ لوگ جو اس چشمۂ فیض سے محروم رہیں،

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَ حَبِیْبِکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ.

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینے کا حکم

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ، فَاِنَّهُ لَايَدْرِیْ فِیْ أَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ. (ترمذی ج ۲ ص ۲)

’’حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو انگلیوں کو چاٹ لیا کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کس میں برکت ہے‘‘۔

فائدہ

یہ کھانے کا دوسرا ادب ہے کہ کھانے کے دوران جو کھانا انگلیوں کو لگا رہ جاتا ہے اس کو اچھی طرح صاف کرے اور چاٹ لے، اس کو یوں ہی دھو کر ضائع نہ کرے، کھانے سے آلودہ انگلیوں کو زبان سے چاٹ لینا حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمت کی قدر شناسی ہے، اور اس کو ضائع کر دینا اس نعمت کی ناقدری ہے۔

انگلیاں چاٹ لینا تواضع اور ادب مع اللہ کی علامت ہے، اور اس

سے عار کرنا کبر ونخوت اور رعونت وحماقت کی نشانی ہے، اس لئے کہ اس نے جن انگلیوں سے جو کھانا کھایا وہی کھانا انہیں انگلیوں کو لگا ہوا ہے، اب اس انگلیوں کے لگے ہوئے کھانے سے عار اور نفرت کرنا سوائے حماقت آمیز رعونت کے اور کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے انگلیوں کو چاٹ لینے کی نہایت لطیف اور دقیق توجیہ یہ ارشاد فرمائی کہ کھانے والے کو کچھ معلوم نہیں کہ ان انگلیوں پر لگے ہوئے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟

برکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جس مقصد کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے تخلیق فرمائی ہے، اس سے وہ مقصد حاصل ہو، اور وہ چیز بے مقصد ضائع نہ ہو۔

مثلاً: کھانا اس مقصد کے لئے ہے کہ وہ آدمی کا جزوِ بدن بنے، اس سے آدمی کے بدن کو قوت حاصل ہو، اور وہ آدمی کے تحلیل شدہ اجزا کا بدل بن جائے، تاکہ صحت وقوت کے بقا کا ذریعہ بن جائے، اب آدمی جو کھانا کھاتا ہے اس کو معلوم نہیں کہ کھانے کا یہ مقصد کھانے کے کس حصے سے حاصل ہوگا اس لئے جو کھانا انگلیوں پر لگا رہ جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اس کی صحت وقوت کے بقا کا ذریعہ بنانا مقدر فرمایا ہو، اگر اس کھانے کو ضائع کرے گا تو کھانے کا مقصد فوت ہوجائے گا اور اس کھانے کی برکت سے یہ شخص محروم رہے گا۔

اگر لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھالیا جائے

عَنْ جَابِر رضی الله تعالیٰ عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَاما فَسَقَطَتْ لُقْمَتُهُ فَلْيُمِطْ مَا رَابَهُ مِنْهَا ثُمَّ لِيَطْعَمْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ. (ترمذی ج ۲ ص ۳۰۲)

''حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے، پس (کھانے کے دوران) لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس پر جو چیز لگ جائے، اس سے لقمے کو صاف کر کے کھالے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔''

فائدہ

یہ کھانے کا ایک مزید ادب ہے کہ اگر کھانے کے دوران لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس کو پڑا اور گرا ہوا نہ چھوڑے، نہ اس کو پھینک کر ضائع کرے بلکہ اس کو صاف کر کے کھالے، اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے، کیونکہ جب آدمی کھانا کھاتا ہے تو اگر شروع میں بسم اللہ شریف نہ پڑھے تو شیطان اس کھانے میں شریک ہو جاتا ہے، ورنہ اس

کے ہاتھ سے لقمہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے، یہ لقمہ جو آدمی کے ہاتھ سے گر گیا تو یہ شیطان کی چھینا جھپٹی ہے، اگر آدمی اس کو یوں ہی پڑا رہنے دے تو یوں سمجھو کہ شیطان اپنی چھینا جھپٹی میں کامیاب رہا، اور وہ آدمی کے کھانے کی برکت لے اُڑا، اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اس کو صاف کر کے کھالے، شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں دو عجیب واقعے لکھے ہیں:

شیطان کا چھینا ہوا لقمہ واپس لینے کا واقعہ

ایک یہ کہ ایک دن ہمارے احباب میں سے ایک صاحب ہماری ملاقات کے لئے تشریف لائے ہم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا، کھانے کے دوران ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ سے گر گیا، اور زمین پر لڑکھڑانے لگا، وہ صاحب اس کا پیچھا کرنے لگے، وہ جوں جوں اس کا پیچھا کرتے لقمہ دور ہوا جاتا۔ حاضرین کو اس سے کچھ تعجب ہوا اور کچھ مشقت اٹھا کر یہ صاحب لقمہ پکڑنے میں کامیاب ہو گئے، اور اسے کھالیا۔

چند دن کے بعد ایک شخص کو جن لگا، اور یہ جن اس شخص کی زبان سے باتیں کرنے لگا، من جملہ دوسری باتوں کے اس نے ایک بات یہ

کہی کہ میں فلاں فلاں آدمی کے پاس سے گزرا، وہ کھانا کھا رہا تھا، مجھے وہ کھانا بہت اچھا لگا، لیکن اس شخص نے اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، میں نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا، اس شخص نے مجھ سے کشاکشی کی یہاں تک کہ اس نے مجھ سے وہ کھانا لے لیا۔

کھانے میں شیطان کی شرکت کا واقعہ

دوسرا واقعہ یہ کہ ہمارے گھر میں لوگ گاجریں کھا رہے تھے، اچانک ایک گاجر لڑکھڑانے لگی، ایک شخص نے شتابی سے اس کو پکڑ کر کھالیا، گاجر کھاتے ہی اس کے سینے اور معدے میں درد شروع ہو گیا، پھر اس پر جن آگیا، اس کی زبان سے جن بولا کہ: وہ لڑکھڑاتی ہوئی گاجر میں نے (جن نے) لی تھی (اس شخص نے مجھ سے چھین لی)۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: اس نوعیت کے بہت سے واقعات ہم نے سنے ہیں، جن سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ احادیث مجازی معنوں پر محمول نہیں، بلکہ ان سے حقیقی معنی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج:۲ ص ۱۸۶)

کھانا تین انگلیوں سے کھائیں

عَنْ اَنَسٍ ﷺ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ : إِذَا مَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْأَذَى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ.

''حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی سے لقمہ گر جائے، تو (اسے اٹھا کر اس سے مٹی، تنکے وغیرہ کو ہٹا دے اور) صاف کر کے اس کو کھا لے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔''

فائدہ

گزشتہ احادیث میں جن تین آداب کا ذکر آیا تھا، اس حدیث پاک میں ان تینوں کا یکجا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس میں ایک چوتھا ادب مزید بیان فرمایا ہے، یعنی کھانے کے برتن کو خوب صاف کرنا، اور اس ارشاد کی حکمت وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی، یعنی:

''تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے''۔

اس لئے برتن کو یہ سمجھ کر صاف کیا جائے کہ ممکن ہے اس کھانے کی برکت اسی حصے میں ہو جو برتن میں لگا رہ گیا ہے، اس لئے اس کو نعمت خداوندی سمجھ کر قدر شناسی کیساتھ صاف کیا جائے اور اس کو ضائع کر کے نعمت کی ناقدری نہ کی جائے۔

کھانے کے برتن کو صاف کرنا سنت ہے

دَخَلَ عَلَيْنَا نُبَيْشَةُ الْخَيْرِ وَنَحْنُ نَأْكُلُ فِيْ قَصْعَةٍ، فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ أَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ، ثُمَّ لَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ. (ترمذی ج ۲ ص ۳)

"حضرت نبیشۃ الخیر ؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص کسی برتن میں کھائے، پھر اس کو خوب صاف کردے تو اس کے لئے برتن مغفرت کی دعا کرتا ہے۔"

فائدہ

برتن کا اس شخص کے لئے دعا کرنا حقیقی معنی پر محمول ہے، یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں؟ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ فضل اللہ تورپشتی

رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ برتن کا استغفار کرنا اس سے عبارت ہے کہ کھانے والے کا یہ عمل اس کے متواضع ہونے اور کبر سے مبرا ہونے کی علامت ہے، اور یہ چیز اس کے لئے موجب مغفرت ہے، چونکہ برتن اس کے لئے بمنزلہ سبب کے بنا، اس لئے مغفرت کو اس کی طرف منسوب فرمایا گیا، گویا برتن اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

لیکن اگر اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تب بھی بعید نہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ. (سورہ بنی اسرائیل: ۴۴)

"ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے، مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔"

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے:

وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ. (مشکوٰۃ ص ۵۳۸)

"اور ہم لوگ کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جاتا تھا"۔

پس اگر ہر چیز کے تسبیح وتحمید کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے کانوں سے کھانے کی تسبیح سننا محل اشکال نہیں، تو کھانے کے برتن کا کھانے والے کے لئے استغفار کرنا کیونکر محل اشکال ہوسکتا ہے۔

لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ اس قسم کی احادیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں، چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

> ''اللہ تعالیٰ نے کھانے کے برتن میں تمیز اور نطق پیدا فرمادیا ہے، جس کے ذریعے وہ دعائے مغفرت کرتا ہے، اور ایک روایت میں کھانے کے برتن کی یہ دعا نقل کی ہے:
>
> أَجَارَکَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ، كَمَا أَجُرْتَنِیْ مِنَ الشَّيْطَانِ.
>
> ''اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے بچائے، جیسا کہ تونے مجھے شیطان سے بچایا''۔

مشکوٰۃ شریف: ص: ۳۶۸ میں رزین کے حوالے سے اس حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

أَعْتَقَکَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ، كَمَا أَعْتَقْتَنِیْ

مِنَ الشَّيُطَانِ.

''اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے آزاد کرے جیسا کہ تو نے
مجھے شیطان سے آزاد کردیا''۔

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا
آکل متکأً. (صحیح بخاری:۵۳۹۸)

''حضرت ابو جحیفہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے
فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے سے بیٹھ
کر کھانا نہیں کھاتا''

فائدہ

ٹیک لگا کر یا بلا ضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانا کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ اور اس کو پسند نہیں کرتا، میں اللہ رب العزت کا بندہ ہوں۔ اور کھانا بھی اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہئے۔

کنزالعمال میں مسند ابویعلی اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں ایک غلام اور ایک بندہ کی طرح کھاتا ہوں اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔ قریب قریب یہی مضمون بعض دیگر صحابہ کرام ؓ کی روایات کا بھی ہے۔ ان سب احادیث اور روایات کا حاصل اور مدعا یہ ہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھا کرتے تھے، متکبرین کی طرح نہ بیٹھا کرتے تھے۔

اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔ اور جو بندہ کھانا کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور اس کا ایک عطیہ ہے اور رب کریم حاضر و ناظر ہے میں اس کے سامنے اور اس کی نگاہ میں ہوں۔ تو وہ کبھی متکبرین کی طرح نہ بیٹھا کریگا اور نہ ہی ان کی طرح کھایا کریگا۔

کھاتے وقت سادگی اور عاجزی سنت ہے

عن قتادة عن انس ؓ قال ما اكل النبى صلى الله عليه وسلم على خوان ولا فى سكرجة ولا خبز له مرقق قلت لقتاده عَلامَا ياكلون

قال علی السفر. (بخاری: ۵۴۱۵)

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خُوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی تشتری یا پیالی میں کھانا کھایا اور نہ کبھی آپ ﷺ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ تو پھر آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم) کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ دستر خوان پر۔''

فائدہ

خَوان کا ترجمہ دسترخوان سے کیا گیا ہے یہ ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے میں استعمال ہوتی تھی۔ بڑے لوگ (مشرکین) اس پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے اور نیچے دسترخوان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امراء کے شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا اور اسی طرح امیر لوگوں کے دسترخوان پر چھوٹی چھوٹی طشتریاں اور پیالیاں ہوا کرتی تھی۔ خود صحابہ کرامؓ کی آخری دور میں اور خود مسلمانوں کے گھرانوں میں یہ چیزیں بہت عام ہوگئیں۔

حضرت انس بن مالک ﷺ کی اس حدیث کا بھی حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے کھانے کی زندگی میں بھی نہایت سادگی اور بندگی کی شان ہوتی تھی۔ نہ آپ ﷺ نے خُوانوں پر کھانا کھایا اور نہ طشتریوں اور پیالیوں میں اور نہ آپ ﷺ کے لئے گھر میں خاص طور پر چپاتیاں بنائی گئیں۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت

عن انس بن مالک ﷺ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الاكل والشرب فى آنيه الذهب والفضة. (السنن الكبرىٰ:۱۰۵)

”حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا ہے۔“

فائدہ

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا دراصل اپنی دولت مندی اور سرمایہ داری کی بے جا نمائش ہے اور ایک طرح کا استکبار ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

اور صحیحین کی ایک روایت میں یہاں تک ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے تو گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ داخل کر رہا ہے۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ اُسے جنت کا کھانا پینا نصیب نہ ہوگا۔

کھانے میں عیب نہ نکالیں

عن ابی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال ماعاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم طعاماً قط ان اشتهاه اکله والا ترکه. (بخاری: ۳۵۶۳)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں یہ عیب ہے یہ نقص ہے یہ خرابی ہے) اگر مرغوب ہوا تو تناول فرمایا اور نامرغوب ہوا تو نہ کھایا چھوڑ دیا۔''

فائدہ

کھانا اگر حلال کا میسر آجائے تو یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے اور نعمت میں عیب نکالنا، اعتراض کرنا مومنانہ شان نہیں ہے۔

آپ ﷺ کو کھانے میں کونسی چیزیں زیادہ پسند تھیں

عن اسحاق بن عبداللّٰہ بن ابی طلحه انه سمع انس بن مالک یقول ان خیاطا دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لطعام صنعه. قال انس بن مالک فذھبت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی ذلک الطعام فقرب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خبزا ومرقا فیه دباء وقدید فرایت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یتتبع الدباء من حوالی القصعة فلم ازل احب الدباء من یومئذ.

(بخاری: ۲۵۹۲)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو کھانے پر مدعو کیا جو اس نے تیار کیا تھا تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلا گیا (غالباً خادم کی حیثیت سے ان کو بھی مدعو کیا گیا ہو) تو اس نے جو کی روٹی اور شوربہ حاضر کیا، جس میں لوکی کے ٹکڑے تھے اور سکھائے ہوئے گوشت کی بوٹیاں تھیں، میں نے دیکھا

کہ آنحضرت ﷺ لوکی کے قتلے پیالے کے اطراف
سے چن چن کر تناول فرماتے ہیں۔تو اس دن سے لوکی
مجھے بھی مرغوب اور محبوب ہوگئی۔"

فائدہ

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو کچھ تر کھجوریں کھیرے کے ساتھ تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔(بخاری و مسلم)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ پکا خربوزہ اور پکی تر کھجوریں ایک ساتھ تناول فرماتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ ان کھجوروں کی گرمی کا توڑ خربوزہ کی ٹھنڈک سے ہو جاتا ہے۔اور خربوزہ کی ٹھنڈک کا توڑ کھجوروں کی گرمی سے ہو جاتا ہے۔(سنن ابوداؤد)

ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ آپ ﷺ کو روٹی (اور گوشت کے شوربے) سے بنی ہوئی، ثرید اور میدے والی ثرید (یعنی روٹی اور کھجور اور گھی کا میدہ یہ دونوں چیزیں) زیادہ مرغوب (پسندیدہ) تھیں۔(سنن ابی داؤد)

میٹھا کھانا آپؐ کی پسندیدہ چیز

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحب الحلواء والعسل. (صحیح بخاری)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو میٹھی چیز اور شہد زیادہ پسند تھا۔''

فائدہ

حلوا: عربی میں ہر میٹھی چیز اور میٹھے کھانے کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے آپ ﷺ کو ہر میٹھی چیز اور خاص کر شہد زیادہ پسند تھی۔

سرکہ کی فضیلت

عَنْ جَابِرٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ. (ترمذی: ج/۲، ص/۶)

'' حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بہت ہی اچھا سالن ہے سرکہ۔''

فائدہ

صحیح مسلم میں حضرت جابر ؓ سے اس حدیث میں یہ قصہ مذکور

ہے کہ: میں ایک جگہ بیٹھا تھا، آنحضرت ﷺ وہاں سے گزرے تو ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا، میں اٹھ کر آیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ایک بی بی کے گھر مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اندر تشریف لے جا کر مجھے بلایا، میں اندر گیا تو گھر والوں سے فرمایا کہ:

"کھانے کی کوئی چیز ہے؟"

چنگیر میں رکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں تین روٹیاں پیش کی گئیں، آپ ﷺ نے ایک روٹی سامنے رکھ لی، ایک میرے سامنے رکھ دی، اور ایک روٹی آدھی اپنے سامنے اور آدھی میرے سامنے رکھی، پھر فرمایا:

"روٹی کے ساتھ کھانے کو سالن بھی ہے؟"

عرض کیا گیا: "سالن کچھ نہیں، البتہ سرکہ ہے"۔

فرمایا: "وہی لاؤ، سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے، سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے"۔

اس حدیث پاک سے سرکہ کی فضیلت معلوم ہوئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میں نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تب سے سرکہ مجھے محبوب ہوگیا۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی بے تکلف اور سادہ معاشرت بھی معلوم ہوئی، کہ کھانے پینے میں متکلف نہیں تھے، جو کچھ وقت پر میسر آجاتا تناول فرمالیتے اور حمد و شکر بجالاتے، اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے میں سادگی اور میانہ روی کو اختیار کرنا اور نفس کو لذائذ سے باز رکھنا اچھی بات ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکہ بہت عمدہ سالن ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ سالن سے روٹی نہیں کھائے گا، پھر سرکہ کے ساتھ کھالے تو حانث ہوجائے گا، اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ سرکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سالن ہے، سرکہ کے منافع کتب طب میں بہت لکھے ہیں۔ (مظاہر حق)

زیتون کا تیل باعثِ برکت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُوْا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ.

(ترمذی: ج ۲ ص ۷)

"حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھایا کرو اور اس کو بدن پر ملا کرو، کیونکہ یہ بابرکت درخت سے ہے"۔

فائدہ

اس حدیث شریف میں زیتون کا تیل کھانے اور اس کو بدن پر ملنے کی تعلیم وترغیب فرمائی گئی ہے۔

کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من طعامہ قال الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین. (سنن ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے:

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین.

''ساری حمد اور ستائش اس اللہ پاک کے لئے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔''

فائدہ

کھانے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر۔ کھانے کے عمل کو جو بظاہر خالص ایک مادی عمل اور بشری تقاضا ہے ،نورانی اور روحانی بنا دیتا ہے۔ اور اس پر خدا پرستی اور عبادت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کھانے ، پینے کے آداب ملحوظ رکھنے اور اس کی سنتوں کے بارے میں عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا برکت ہے

عن سلمان قال قرأت في التوراة ان بركة الطعام الوضوء بعده فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فاخبرته لما قرأت في التوراة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده. (جامع الترمذي: ۱۸۴۶)

”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ

دھونا باعث برکت ہے، میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ
سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے
اور اس کے بعد ہاتھ منہ دھونا برکت ہے۔"

فائدہ

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم و ہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے آتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت ﷺ کے ذریعے اس کی تکمیل فرمائی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم.

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کرلیا۔"

اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آداب طعام کے سلسلے میں صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے کھانے سے پہلے ہاتھ اور منہ دھولینے (یعنی کلی کرلینے) کی ترغیب دی گئی اور آپ نے بتایا کہ یہ بھی باعث برکت ہے۔

سنت و آداب کی برکات

برکت بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ

علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلے میں بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو۔ کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش ہو اور دلجمعی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزو بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو۔ پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر اور اطاعت کی توفیق ملے۔ دراصل یہ سب اس حقیقت کے آثار ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اور اصول صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھو کر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دھو کر صاف کر لیا جائے۔

حضرت سلمان فارسی ﷺ کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلے کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ منہ دھونے کے لئے ''وضو'' لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وہ وضو مراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم ومعروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھولیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھولینا چاہیے

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من بات وفی يده ريح غمر فاصابه شیء فلا يلومَنّ الا نفسه. (جامع الترمذی)

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو اس حال میں

سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی کا اثر
اور اس کی بو ہو اور اس کی وجہ سے اسے کوئی گزند پہنچ
جائے (مثلاً کوئی کیڑا کاٹ لے) تو وہ بس اپنے ہی
کو ملامت اور اپنی ہی غلطی اور غفلت کا نتیجہ سمجھے۔"

فائدہ

اس حدیث کا درس یہی ہے کہ کھانے کے بعد خاص کر جب ہاتھ میں چکنائی وغیرہ کا اثر ہو تو ہاتھوں کو اس طرح دھولیا جائے کہ اس کا اثر باقی نہ رہے چونکہ یہ صرف استحبابی حکم ہے اس لئے خود رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی عمل فرمایا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا بھی کافی ہے

عن عبداللّٰہ بن الحارث بن الجزء الزبیدی
قال اکلنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وسلم طعامًا فی المسجد لحما قد شوی
فمسحنا ایدینا بالحصباء ثم قمنا نصلی ولم
نتوضاء. (سنن ابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزو ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تھے، کسی شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لا کر پیش کیا، آپ ﷺ نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھایا، پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔''

فائدہ

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن الحارث ﷺ کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے بظاہر یہی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ نے یہی بات ظاہر کرنے کے لئے (کہ کھانے کے بعد ہاتھ اور

منہ دھونا کوئی فرض اور واجب نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے) یہ عمل کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ امت کو رخصت اور جواز کے حدود بتانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا، صحابہ کرام ؓ بھی نماز کے لئے مسجد میں آچکے تھے اس وقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے، ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو، ایسی صورت میں آپ ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے کھالیا جائے، آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو بھی شریک فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے پیٹ بھر کر تو نہیں کھایا ہوگا۔ تبرک کے طور پر کم وبیش کچھ حصہ لیا ہوگا اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ

زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا ان وجوہات کی بناء پر اس وقت ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا۔

حدیث میں سنگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا۔ اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کیے جاسکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرے ہی میں ہوگا۔

لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضور ﷺ کی ہدایات

اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اپنے پاکیزہ فرمودات کی روشنی میں امت کی رہنمائی فرمائی اسی طرح لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں بھی اپنے طرزِ عمل سے ہدایات دی ہیں، اور رہنمائی فرمائی ہے۔

ذیل میں اس سلسلے کی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت

عن جابر ؓ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ينام الرجل على سطح ليس بمحجور عليه. (جامع ترمذی)

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو۔''

فائدہ

جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو، اس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرماتے ہوئے اس سے منع فرمایا۔ سبحان اللہ! قربان جایئے، کس طرح عالم کے امام، مربی، محسن اور معلمِ کائنات نے اپنی امت کی رہنمائی فرمائی کہ چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا کام بھی جس میں احتیاط کا پہلو ہو اپنی تعلیمات کے مطابق کرنے کی ترغیب دی۔

حفاظتی تدابیر اختیار کر کے سوئیں

عن عبدالرحمٰن بن علی عن ابیه قال قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم من بات علی ظهر بیت لیس له حجار فقد برئت منه الذمة. (سنن ابوداؤد)

"حضرت علی شیبانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہو گی۔"

فائدہ

یہ بھی ممانعت کا ایک بلیغ انداز ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے:

" قل من یکلئکم باللیل والنهار " الایة (سورة الانبیاء: ۴۲)

"کہہ دیجئے کہ کون حفاظت کر سکتا ہے تمہاری دن اور رات کو رحمٰن سے؟"

تو کوئی اگر جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوئے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار اور منڈیر نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس حفاظتی انتظام کے استحقاق کو کھو دیتا ہے ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔

اور اگر خدانخواستہ وہ گر کر ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو سخت جسمانی صدمہ پہنچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ذمہ دار ہے۔

کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کے لیٹنے کی ممانعت اور اس کی وجہ

عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن .... ان يرفع الرجل احدى رجليه على الاخرى وهو مستلق على ظهره. (صحيح مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے۔"

فائدہ

حضور ﷺ کے زمانہ میں عربوں میں عام طور پر تہبند

باندھنے کا رواج تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے، کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا، غالباً اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہوگی۔

پیٹ کے بل اوندھے منہ لیٹنے کی ممانعت

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال رأى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رجلاً مضطجعا على بطنه فقال ان هذه ضجعة لايحبها الله. (جامع ترمذی)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔"

فائدہ

ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اس لئے اس کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ کہا گیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری ﷛ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گذرے اور میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے قدم مبارک سے ہلایا اور فرمایا اے جندب! یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

کسی عمل یا عادت کی قباحت کو یا شناخت کو اہل ایمان کی دلوں میں بٹھانے کے لئے یہ نہایت مؤثر طریقہ ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ ہے یا ان کی عادت ہے۔

جندب حضرت ابوذر غفاری ﷛ کا اصلی نام ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس تعلیم کے وقت ان کو اسی نام سے یاد فرمایا۔

خود آنحضرت ﷺ کس طرح لیٹتے تھے؟

عن ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عرس بلیل اضطجع علی شقہ الایمن واذا عرس قبل الصبح نصب ذراعہ و وضع رأسہ علی کفہ. (شرح السنہ البغوی)

''حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ رات میں پڑاؤ کرتے تو داہنی کروٹ پر آرام فرماتے، اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر آرام کرتے۔''

فائدہ

اہل عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر

کرتے تھے، پھر اگر سفر سویرے سرشام شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت میں آرام کے لئے اتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر رات کو دیر سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے۔ حضرت ابوقتادہ ؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ ایسے وقت اترتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہے تو آپ ﷺ سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ کا ہمیشہ معمول تھا اور جب آپ ﷺ رات کے بالکل آخری حصہ میں پڑاؤ کرتے جب فجر کا وقت قریب ہوتا تو آپ ﷺ کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے۔ اور اس طرح گویا فجر کا انتظار کرتے تھے۔

اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے رسول اکرم ﷺ کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیئتوں کو بھی کتنے اہتمام کے ساتھ محفوظ فرمایا ہے اور اس کو

امت تک پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو انکی اس فکر اور کاوش کا بہتر سے بہتر صلہ پوری امت کی طرف سے عطا فرمائے۔ اور ہم کو ان کی اتباع کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

اسلامی لباس کے آداب

اللہ تعالیٰ کے لاڈلے، محبوب کل کائنات ومحبوب رب العالمین اور ہدایت کے سرچشمہ، راہ ہدایت کے شمس وقمر، اخلاق حسنہ کے پیکر، امانت ودیانت، فقاہت وامانت اور سیادت کے انمول موتی، آمنہ کے لعل سید الکونین، امام القبلتین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے جس طرح زندگی کے ہر موڑ پر اور شب و روز پیش آنے والے حالات و واقعات مثلاً اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، اور کھانے پینے، معاشرے کے ساتھ سلوک کرنے کے آداب زندگی، تجارت، لین دین اور ہر معاملے میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور انسانیت کو عبادتِ انسانیت سے عبادت رب العباد کی طرف نکالا ہے۔ اسی طرح زندگی کے ہر مشکل و

سہل موڑ پر بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔

من جملہ لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی ہماری من کل الوجوہ رہنمائی کی ہے۔ یاد رکھیں کہ لباس کے دو بڑے فائدے ہیں۔

(۱) ستر پوشی......یعنی جسم کے ان حصوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہ پڑ سکے۔

(۲) زینت و آرائش......یعنی لباس ایسا سادہ لیکن پر تکلف ہو کہ آدمی دیکھنے میں بھلا اور آراستہ معلوم ہو۔ لیکن لباس بھی وہ اچھا ہوگا جو اسلامی اور شرعی طریقے پر زیب تن کیا جائے گا کہ جس میں آرائش و تجمل، اسراف و افراط اور شان و شوکت و نمائش اور برتری کا اظہار و تقاضہ مقصود نہ ہو۔

اسی طرح مرد و عورت کیلیے جدا گانہ لباس کے طریقے بتائے گئے۔ ان طریقوں سے ہٹ کر اگر لباس کا استعمال کیا گیا تو نقصان ایمان اور ناراضی رب سے دو چار ہونا پڑے گا۔ مثلاً مرد کے لیے ممنوع لباس یہ ہے کہ وہ ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ

خاص ہےاور یہ بھی کہ مرد عورتوں والے کپڑے پہن کرنسوانی صورت نہ بنائیں ۔ اور عورت مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پرظلم نہ کرے ۔اللہ معاف فرمائے آج تو مردوزن نے کمال ہی کردیا ہے نہ تو مردوں نے عورتوں کے لباس زیب تن کرنے میں کوئی کسر چھوڑی ہے اور نہ ہی عورتوں نے مردوں کا لباس اختیار کرنے میں کوئی کمی کی ہے۔

حالانکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے انہیں چاہیے کہ اس طرح رہیں اور ایسا لباس پہنیں جس سے محسوس ہو کہ ان پر ان کے رب کا فضل ہے اور بے جا اسراف ، نام ونمود، فیشن اور تشبہ بالنساء (مردوں کے حق میں)اور تشبہ بالرجال (عورتوں کے حق میں) سے بچیں ،اسی میں کامیابی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں تا کہ لباس کا فائدہ اور مقصد ہمارے سامنے واضح ہو جائے۔

بے پردہ لباس کی ممانعت

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی ان یاکل الرجل
بشمالہ او یمشی فی نعل واحدۃ وان
یشتمل العماء وان یحتبی فی ثوب واحد
کاشفا عن فرجہ ۔ (صحیح مسلم)

”حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے
یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے
بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ
کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹمار
کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔“

فائدہ

اس حدیث میں مختلف آداب سکھائے گئے ہیں جن میں

سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی جائے کہ ہر طرف سے بند ہو جائے یہاں تک کہ ہاتھ بھی باہر نہ نکل سکیں ۔ یہ ممنوع ہے کیونکہ یہ بے ڈھنگا طریقہ ہے جو کہ پہلے عربوں میں رائج تھا اور آج ہم بھی اس طریقے پر عمل پیرا ہیں ۔ اسی طرح اس طریقے سے بھی ممانعت کی گئی ہے کہ آدمی ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لے کیونکہ اس میں ستر پوشی نہیں ہوتی ۔

عورت کے لیے باریک لباس ممنوع ہے

عن عائشة ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیها ثیاب رقاق فاعرض عنها رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال یا اسماء ان المرءة اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منها الا هذا و هذا و اشار الی وجهه و کفیه.

(سنن ابو داؤد:)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

ہے کہ میری بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا

رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے

ہوئے تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا

اور فرمایا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو

درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے

چہرے اور ہاتھوں کے۔"

(نوٹ: یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا)۔

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے بشرطیکہ اپنے گھر میں ہو ورنہ اگر کسی ضرورت کے پیش نظر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو مکمل شرعی پردے کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے یہاں تک کہ چہرہ مکمل چھپا ہوا ہو اور بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں پر دستانے اور موزے ہوں۔

متکبرانہ لباس کی ممانعت اور وعید

عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من جرّ ثوبه خیلاء لم ینظر اللّٰہ الیه یوم القیامة. (بخاری)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنا کپڑا تکبر اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا"

فائدہ

اس حدیث میں عرب کے ایک فیشن اور رواج کے چھوڑنے پر زور دیا گیا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ کپڑے کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا، ازار بند، تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑے میں بھی اسی قسم

کے اسراف کے ذریعے اپنی بڑائی کی نمائش کرتے تھے۔ آج یہی رواج ہمارے اندر بھی تیزی سے پھیل گیا ہے۔ یاد رکھیں دوستو قیامت کے ہولناک دن میں اگر اللہ تعالیٰ کی نظر شفقت حاصل کرنی ہے تو لباس سنت کے مطابق پہنیں۔

مردوں کے لیے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کے لیے اجازت

عن ابی موسی الاشعری ﷛ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لنسائھم. (ترمذی)

”حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونا اور ریشمی کپڑے کا استعمال میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام ہے۔“

فائدہ

یعنی مردوں کے لیے وہ کپڑا حرام اور ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح ایسا کپڑا بھی مردوں کے لیے جائز ہے جو ریشمی نہ ہو لیکن اس پر نقش ونگار ریشم کے بنائے گے ہوں یا تھوڑا بہت ریشمی حاشیہ ہو۔

مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس وہیئت کی ممانعت

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهین من الرجال بالنساء. وفی روایة عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الرجل یلبس لبسة المرء ة والمرء ة تلبس لبسة الرجل. (سنن ابی داؤد)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان

عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو زنانہ لباس پہنیں۔ اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنیں۔"

فائدہ

پہلی حدیث میں خصوصیت سے لباس کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ تشبہ پر لعنت فرمائی گئی ہے اور تشبہ کی یہ صورت کہ مرد زنانہ لباس پہن کر اور عورت مردانہ لباس پہن کر اپنی فطرت کے اصولوں اور تقاضوں سے بغاوت کرے۔ البتہ دوسری حدیث میں صراحتاً لباس کا ذکر آیا ہے۔

مردوں کے لیے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ ہیں

عن سمرة بن جندب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم البسوا البیاض فانها اطهر و اطیب و کفنوا فیها موتاکم.(ترمذی)

''حضرت سمرةؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو وہ زیادہ پاک

صاف اور نفیس ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے

مُردوں کو دفنایا کرو۔''

فائدہ

یعنی مرد کے لیے سنت ہے کہ اپنی زندگی میں سفید لباس زیب تن کرے خاص طور پر جب یہ مساجد میں یا اولیاء اللہ کی مجالس اور دیگر دینی اجتماعات میں جائیں تو سفید لباس پہن کر جائیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کپڑے میں دفنائیں کیونکہ ابھی اس کی حاضری اللہ کے حضور ہونی ہے۔

کھاؤ، پیؤ، پہنو مگر تکبر اور اسراف سے بچو

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان

رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلوا

واشربوا و تصدقوا والبسوا غیر مخیلة ولا

اسرافٍ۔ (مسند احمد)

''عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خوب کھاؤ پیو اور صدقہ کرو

اور کپڑے بنا کر پہنو بشرطیکہ اسراف وفخر اور تکبر نہ ہو۔''

فائدہ

یعنی آدمی خوب حلال غذا کھاتا رہے اور جو بھی اچھا لباس ہو پہنتا رہے بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اسلامی اور نبوی ﷺ طریقہ پر کھانے، پینے، سونے، جاگنے، چلنے پھرنے اور لباس پہننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه

اجمعین.

☆......☆......☆

معاشرتی زندگی کے اسلامی آداب

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد المومنین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرامی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

سلام کو عام کرنے کا حکم

عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعبدوا الرحمٰن واطعموا الطعام وافشو السلام تدخلوا الجنۃ بسلام. (جامع ترمذی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہنچ جاؤ گے سلامتی کے ساتھ۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ علیٰ ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلوٰۃ علیٰ افضل الرسل واکرم. وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم.

اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصّٰدقین

''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

آدابِ ملاقات

دنیا کی تمام قوموں میں ملاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبہ اکرام و خیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس کرنے کے لئے

کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے۔ اور آج بھی ہے۔ المختصر یہ کہ ہر قوم میں ملاقات و سلام کلام کرنے کے لئے مخصوص الفاظ استعمال کرنے کا رواج رہا ہے۔ مثلاً رام رام، ہندوؤں میں، گڈ مارننگ یورپیوں میں، لیکن امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ایک بہت عمدہ جملے میں سلام و ملاقات کا طریقہ سمجھا دیا۔ وہ ہے ''السلام علیکم'' یعنی تم پر (اللہ کی طرف سے اور میری طرف سے) سلامتی و امن ہو مجھ سے مطمئن و بے خوف رہو۔

اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جا سکتا کیونکہ اس جملہ میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے، دوسری مزے کی بات اور حلاوت و شیرینی اس جملے میں یہ ہے کہ چھوٹوں کے لئے شفقت اور مرحمت و پیار و محبت ہے۔ جبکہ بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم کا پیغام بھی ہے اور پھر ''السلام'' اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے بھی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام پر سلام کا اطلاق کیا ہے۔ مثلاً

''سلٰمٌ علی ابراھیم، سلٰمٌ علی نوح فی العالمین، سلٰمٌ علی اٰلیاسین، سلٰمٌ علی

موسیٰ وھارون، سلٰمٌ علی المرسلین"

بہرکیف سلام کی کتنی خصوصیات ہیں، اس کے بارے میں مزید تفصیل آنے والی احادیث میں بیان کی جارہی ہے۔

سلام کی فضیلت واہمیت

عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعبدوا الرحمٰن واطعموا الطعام وافشو السلام تدخلوا الجنۃ بسلام. (جامع ترمذی)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہنچ جاؤ گے سلامتی کے ساتھ۔"

فائدہ

اس حدیث میں رسولِ خدا ﷺ نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے، اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے۔

(۱) ایک خداوندِ قدوس کی عبادت یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص

حق ہے اور جو دراصل مقصدِ تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

(۲) دوسرا ''اطعام طعام'' یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطورِ ھدیہ واخلاص ومحبت کے کھانا کھلانا جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت والفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے اور بخل جیسی مہلک وموذی بیماری کا علاج بھی ہے۔

(۳) تیسرا حکم نامہ اور ہدایت رحمۃ للعالمینؐ نے یہ دیا ہے کہ ''السلام علیکم، وعلیکم السلام'' کو جو اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا، دعائیہ کلمہ ہے اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسا رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضاء اس کی لہروں سے معمور رہے۔

ان تینوں کاموں پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی ہے کہ

''تدخلوا الجنة بسلٰم''

یعنی تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

دو بہترین عمل

حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اسلام میں کیا چیز اور کونسا عمل زیادہ اچھا ہے،

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور دوسرے یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی سلام کرو۔ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم)

اس حدیث میں دو عملوں کو بہتر اعمال میں سے شمار کیا گیا ہے (۱) کھانا کھلانا (۲) جان اور ان جان والے کو سلام کرنا، کیا ہی بہترین تعلیم ہے اللہ کے حبیب کریم ﷺ کی طرف سے، ہم اگر عمل کریں تو مشکل بھی نہیں ہے لیکن اس پر جو ثواب کا ترتّب ہے وہ نہایت اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عمل کریں۔

مسلمان کے چھ حقوق

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال حق المسلم علی المسلم ست قيل ما هی يا رسول الله قال اذا لقيته فسلم عليه واذا دعاک فاجبه واذا استنصحک فانصح له واذا عطس فحمد الله فشمته واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه. (مسلم)

''حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) اول یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ (۲) دوسرے یہ کہ جب وہ مدعو کرے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔ (۳) تیسرے یہ کہ جب وہ نصیحت (مشورہ) کرنے کا مطالبہ کرے تو دریغ نہ کرے۔ (۴) چوتھے یہ کہ جب اس کو چھینک آئے اور وہ ''الحمدللہ'' کہے تو یہ اس کو ''یرحمک اللّٰہ'' کہے (جو دعائیہ کلمہ ہے)۔ (۵) پانچویں یہ کہ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ (۶) چھٹے یہ کہ جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔''

فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے پہلا حق یہ بتایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے یعنی ''السلام علیکم'' کہے۔

گھر میں داخل ہو کر سلام کریں

عن انس بن مالک ؓ قال قال لی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی اذا دخلت
علی اهلک فسلم یکون برکة علیک
وعلی بیتک. (جامع ترمذی)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹا جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ تمہارے لئے بھی باعثِ برکت ہوگا، اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی۔''

مجلس میں بیٹھنے سے پہلے سلام کریں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی مجلس میں پہنچے تو چاہئے کہ پہلے اہل مجلس کو سلام کرے پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے (یعنی بعد والے الوداعی اور رخصتی سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا ہے اس سے کچھ کم نہیں۔ (جامع ترمذی)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں امام الانبیاء ﷺ نے گھریا

مجلس میں آنیوالے کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ سلام کرے لیکن یہ عظیم عمل

ہمارے ماحول سے کچھ دور ہی ہوتا جا رہا ہے۔

مصافحہ سلام کا تکملہ ہے

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ان تمام

التحیۃ الاخذ بالید. (شعب الایمان)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔''

فائدہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت کے اظہار کے لئے جہاں سلام کی ایک خاص اہمیت ہے وہاں مصافحہ کرنے کا بھی ایک معیار ہے اور زیادتی محبت کی دلیل اور تقریباً سلام کے وقت مصافحہ بھی ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن اس عمل کو کچھ مزید ہدایات اور فرامینِ نبوی سے مزین کیا جاتا ہے۔

حضور انور ﷺ کے اس مبارک ارشاد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سلام کا حق تب ادا ہوگا جب مصافحہ بھی کیا جائے، اس سے سلام کی تکمیل ہوتی ہے۔

مصافحہ سے فریقین کے گناہ معاف ہوتے ہیں

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا. (سنن ابی داؤد)

''حضرت براء بن عازب ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔''

فائدہ

یہاں بھی اس بات کو یاد رکھا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو یعنی مصافحہ وسلام سے دل کا کینہ جاتا رہتا ہے لہٰذا باہم محبت بھی پھیلتی ہے۔ حضرت عطاء خراسانیؒ تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔

کچھ ضروری آدابِ زندگی

گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت

عن ابن جریج اخبرنی عمرو بن ابی سفیان
ان عمرو بن عبداللہ بن صفوان اخبرہ ان
کلدۃ بن حنبل اخبرہ ان صفوان بن امیہ بعثہ
بلبن ولبأ وضغابیس الی النبی صلی اللّٰہ علیہ
وسلم یا علی الوادی قال فدخلت علیہ ولم
اسلم ولم استاذن فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ
وسلم ارجع فقل السلام علیکم أ ادخل
وذلک بعد ما اسلم صفوان. (جامع ترمذی)

"کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کا اخیافی
بھائی) صفوان بن امیہ ﷜ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا
ایک بچہ اور کچھ کھیرے دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت
میں بھیجا یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ
وادی مکہ کے بالائی حصہ میں تھے، کلدہ کہتے ہیں کہ
میں یہ چیزیں لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ اور نہ

میں نے سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو
آپ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور (قاعدہ کے مطابق)
السلام علیکم اَاَدْخُلُ کہہ کر اجازت مانگو۔"

فائدہ

رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے اس کے گھر یا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور پھر اجازت مانگے اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ اس وقت کس حالت اور کس کام میں ہو۔ ممکن ہے کہ اس کے لئے اس وقت ملنا نامناسب ہو۔

یہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ مشہور دشمن اسلام اور دشمن رسول ﷺ امیہ بن خلف کے لڑکے تھے یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قیام وادی مکہ کے اس بالائی حصہ میں تھا جس کو مَعْلیٰ کہتے ہیں۔

صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں دیکر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا۔ ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے۔ اور یہ اس سے واقف

نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہئے۔ اس لئے یونہی حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اور آپ ﷺ نے ادب کی تعلیم کے لئے ان سے فرمایا کہ باہر واپس جاؤ اور کہو۔

السلام علیکم أ أدخلُ؟

''السلام علیکم! کیا میں آسکتا ہوں۔''

اور جب اجازت ملے تو اندر آؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام اور استیذان کا یعنی اجازت چاہنے کا طریقہ صرف زبانی بتانے کے ساتھ ان سے عمل بھی کروایا۔ ظاہر ہے کہ جو سبق اس طرح دیا جائے وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔

گھر سے نکلنے کی دعا اور اس کی برکات

عن ابی انس بن مالک ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا خرج الرجل من بیتہ فقال بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ قال یقال حینئذٍ ھدیت وکفیت ووقیت فتتنحی لہ الشیاطین فیقول شیطان آخر کیف لک برجل قد ھدی وکفی و وقی۔(سنن ابی داؤد)

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا کہ جب کوئی شخص گھر سے باہر نکلتا ہے اور پھر یہ
پڑھتا ہے۔''

بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

(یعنی نکلتا ہوں میں اللہ کے نام کے ساتھ، بھروسہ کیا میں نے اللہ پر گناہوں سے بچنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔) تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ اے اللہ کے بندے تجھے راہِ راست دکھائی گئی، تجھے (جمیع مہمات اور تمام امور میں) غیر اللہ سے مستغنی کر دیا گیا اور تو تمام برائیوں سے محفوظ رہا۔ چنانچہ یہ سن کر شیطان چلا جاتا ہے اور دوسرا شیطان اس سے کہتا ہے کہ تو اس شخص پر کیونکر قابو پا سکتا ہے جسے راہِ راست دکھائی گئی، جسے غیر سے مستغنی کر دیا گیا، اور جو تمام برائیوں سے محفوظ رہا۔

فائدہ

اس حدیث شریف میں گھر سے باہر جانے کی دعا اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے، یعنی جب تو نے گھر سے باہر جاتے وقت اللہ کا نام لیا، اور اس کی ذات پر توکل و اعتماد کیا اور لاحول پڑھ کر اپنے آپ کو عاجز جانا ، اس لیے تو نے راہ راست پائی، کیوں کہ راہِ راست یہی ہے کہ بندہ اللہ کو یاد

کرے اور اسی پر اعتماد کر کے اپنے تمام امور اسی کی طرف سونپ دے۔ اس طرح بندہ شیاطین کے شر سے محفوظ ہو کر اپنے رب کی امان میں آجاتا ہے، اور جس بندے کی یا جس کے گھر کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ گھر کا اصل مقصد قلب و جسم کا سکون ہے:

گھر تو وہ ہے جو باعث سکون ہو

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے واسطے گھروں کو سکون و آرام کا ذریعہ بنایا، جس کا اصل مقصد جسم کا سکون ہے، کیوں کہ عادۃً انسان کا کسب و عمل گھر سے باہر ہوتا ہے، جو اس کی حرکت اور محنت سے وجود میں آتا ہے، تو انسان کے گھر کا اصلی منشا یہ ہے کہ جب حرکت و عمل سے تھک جائے تو گھر میں آکر آرام کرے، اور سکون حاصل کرے۔ اگرچہ بعض اوقات انسان اپنے گھر میں حرکت و عمل میں بھی مشغول رہتا ہے مگر یہ عادۃً کم ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے فرمایا:

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے حالتِ حضر میں تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور حالتِ سفر میں تمہارے لیے جانوروں کی کھال کے گھر (یعنی خیمے) بنائے، جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا (پھلکا) پاتے ہو۔ (سورۃ النحل: ۸۰)

اس آیت کے پہلے حصے میں مستقل مکان کا ذکر فرمایا، اور دوسرے حصے میں عارضی مکان یعنی خیمہ کا ذکر فرمایا۔ دونوں صورتوں میں اصل مقصد انسان کے آرام وسکون کا سامنا ہے جو قدرت کی طرف سے عطا شدہ ہے اور سکون درحقیقت قلب و دماغ کا ہے۔ وہ انسان کو گھر ہی میں حاصل ہوتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان کے مکان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس میں قلب ودماغ کو سکون ملے۔

آج کی دنیا میں تعمیرات کا سلسلہ اپنے عروج پر ہے، ان میں نمود ونمائش پر بے حد خرچ بھی کیا جاتا ہے، لیکن ان میں ایسے مکانات بہت کم ہیں جن میں قلب وجسم کو سکون حاصل ہو۔ بعض اوقات مصنوعی تکلفات خود ہی آرام وسکون برباد کر دیتے ہیں، اور وہ بھی نہ ہوں گھر میں تو جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے وہ اس سکون کو ختم کر دیتے ہیں۔ ایسے عالیشان مکان سے وہ جگہ اور جھونپڑی ہی اچھی ہے جس کے رہنے والے کے قلب وجسم کو سکون حاصل ہو۔ قرآن کریم نے انسان کے گھر کا اصل مقصد اور سب سے بڑی غرض وغایت سکون کو قرار دیا ہے، فرمایا:

لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا (سورة الروم : ۲۱)

جس ازدواجی زندگی سے یہ مقصد حاصل نہ ہو وہ اس کے اصل فائدے سے محروم ہے، آج کی دنیا میں ان چیزوں میں رسمی اور غیر رسمی تکلفات اور ظاہری نمود ونمائش کی حد نہیں رہی، اور مغربی تمدن و معاشرت نے ان چیزوں میں ظاہری زیب وزینت کے سارے سامان جمع کردئے ہیں مگر سکون قلب وجسم سے محروم کرڈالا۔ آج بھی جن گھروں میں ٹی وی اور مغربی تہذیب وتمدن نہیں ہے وہاں سکون ہے۔ اندرون خانہ اور ازدواجی زندگی میں سکون وآرام تب مل سکتا ہے جب ٹی وی، اور مغربی تہذیب وتمدن کو نکال باہر کریں اور گھروں میں اللہ کی یاد ہو، کلام اللہ کی تلاوت ہو، اور سنت رسول ﷺ کا احیا ہو۔ حلال کمائی سے کی گئی جائز تعمیر ہو اور رزق بھی حلال ہو تو پھر وہ گھر اور ازدواجی زندگی جنت کا گہوارہ ہیں۔ اور یہی اصل غرض و غایت ہے مکان اور ازدواجی زندگی کی۔

گھر میں آنے جانے کی مسنون دعائیں

گھر میں داخل ہوتے وقت کوئی نہ کوئی ذکر کرتا رہے

جب گھر سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولاقوہ الاباللہ

جب گھر میں داخل ہوتو یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسئلک خیر المولج و خیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا توکلنا .

گھر میں موجود بیوی کو سلام کرنا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کبھی گھر میں کوئی نہ ہو اس طرح سلام کرے:

السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین .

گھر میں داخل ہونے سے قبل گھر والوں کو کنڈی یا پیروں کی آہٹ یا کھنکھار سے خبر دار کر دینا، کیونکہ بعض مرتبہ والدہ، بہن، بیٹی، وغیرہ ایسی حالت میں بیٹھی ہوتی ہیں کہ اچانک پہنچ جانے سے ان کو شرم وحیا آتی ہے۔

جب سنت فجر پڑھ کر اپنے گھر سے نماز فجر کے لیے نکلو تو اثناء راہ میں یہ دعا پڑھو:

اللھم اجعلنی فی قلبی نوراً: اللھم اعطنی نوراً

جب کسی کے گھر کے دروازے پر جائیں تو سامنے کھڑے نہ ہوں، بلکہ دائیں یا بائیں کھڑے ہوں اور (بات چیت سے پہلے) السلام علیکم کہیں۔

گھریلوں کاموں میں حصہ لینا سنت ہے

آپ ﷺ اپنے گھر میں خانگی کام (بھی) کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے چلے جاتے۔ اس وقت سارا کام چھوڑ دیتے اور گھر والوں سے کوئی مطلب نہیں رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر والوں کی خدمت اور کام کاج میں لگے رہنا انبیاء کی سنت اور صالحین کا طریقہ ہے، بشرطیکہ گھریلو کام کاج سنت سمجھ کر کرے۔

سفر سے واپسی پر مسنون عمل

آنحضرت ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد جاتے اور دو رکعات نماز (نفل) پڑھتے اور پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے وہاں بیٹھتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔

سونے سے پہلے چولہے بجھادیں

فرمان رسول اللہ ﷺ: جب تم سونے لگو تو گھروں میں آگ نہ چھوڑو، یعنی گھر میں کسی جگہ آگ ہو تو اسے بجھادو۔

سفر سے واپسی کی اطلاع اہل خانہ کو دیدیں

جب دور دراز کے سفر سے بہت دنوں بعد واپس لوٹے تو سنت یہ

ہے کہ اچانک گھر میں داخل نہ ہو، بلکہ اپنے آنے کی خبر کرے اور کچھ دیر بعد گھر میں داخل ہو، ایسے ہی اگر رات گئے دیر سے آئے تو فوراً گھر میں نہ جائے، البتہ گھر والے تمہارے دیر سے آنے پر آگاہ ہوں اور ان کو تمہارا انتظار بھی ہو تو اس وقت گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو ان سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ملاقات کے لئے آنے والے کا حق

عن واثلة بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه قال دخل رجل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو فی المسجد قاعد فتزحزح له رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال الرجل یا رسول الله ان فی المکان سعة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان للمسلم علی المسلم حقا اذا رأه اخوه ان یتزحزح له. (شعب الایمان للبیهقی)

”حضرت واثلہ بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص

آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان کے لئے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (آپ اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی آپ زحمت نہ فرمائیں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا مسلمانوں پر حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا) دیکھے۔ تو اس کے لئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹ جائے اور اپنے قریب بٹھائے۔"

فائدہ

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے بڑے کے پاس بھی کوئی مسلمان آئے تو اس کو بھی اس کے ساتھ اکرام کا یہی برتاؤ کرنا چاہئے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ سے قرب اور جانشینی کی نسبت رکھنے والے بزرگوں کے لئے خاص سبق ہے۔

مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انه نهی ان یقام الرجل من مجلسه ویجلس فیه آخر ولکن تفسحوا

و تـوسـعـوا. (صحيح البخاری: ۶۲۷۵)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی ایسا نہ کرے (کسی کو اس کا حق نہیں) کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ (آنے والوں کے لئے) کشادگی اور گنجائش پیدا کریں۔ (ان کو جگہ دیں)۔''

فائدہ

اس حدیث میں اس بات کی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے۔ لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے تو اپنی نیت کے مطابق وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ دوسری حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت سے) اٹھا اور پھر واپس آ گیا تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ (مسلم)

دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنے کے لئے اجازت کی ضرورت

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايجلس

بین رجلین الا باذنھما. (سنن ابی داؤد)

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔''

فائدہ

یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنن ابی داؤد ہی میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقے سے ان الفاظ میں بھی روایت کی گئی ہے۔ (کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انہیں ایک دوسرے سے الگ کردے۔

سبحان اللہ العظیم رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات وھدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کو پسند کرنا

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال

رسول الله صلى الله عليه وسلممن سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار. (جامع ترمذی)

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان ﷺ سے روایت ہے جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

فائدہ

ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت میں ہے جبکہ کوئی آدمی خود چاہے اور اسی سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اور یہ تکبر کی نشانی ہے اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے جس کے حق میں فرمایا گیا ہے۔

فبئسَ مَثوى المتكبّرين

''وہ دوزخ متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے''

لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اس کے اکرام اور عقیدت میں اور محبت کے جذبہ میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے اس کو بھی ناپسند کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند کرتے تھے

عن ابی امامة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال خرج علینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وهو یتوکأ علی عصا فلما رأیناه قمنا الیه فقال لاتفعلوا کما تفعل الاعاجم یقوم بعضها لبعض. (المعجم الکبیر)

''حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ عصا (لاٹھی) کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس طرح مت کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

فائدہ

دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کے لئے کوئی شخصیت بھی رسول اللہ ﷺ زیادہ محبوب نہ تھی اس کے باوجود ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ آپ ﷺ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

صاحب مجلس کے اٹھنے پر اہل مجلس کا کھڑا ہو جانا

قال حدثنا ابو عامر قال حدثنا محمد بن هلال سمع اباه يحدث قال قال ابو هريره وهو يحدثنا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجلس معنا في المسجد يحدثنا فاذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه. (شعب الايمان للبيهقي)

"حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے پھر جب آپ ﷺ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک ہم دیکھ لیتے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی کے گھر میں داخل ہو گئے۔"

فائدہ

صحابہ کرام ﷺ کو اس طریقہ عمل سے رسول اللہ ﷺ کا منع نہ فرمانا

اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو آپ ﷺ نے گوارفرمایا۔ حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ ناپسند فرماتے تھے۔

ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہل مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا ہے جو آپ ﷺ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا۔ اور مجلس سے حضور ﷺ کے اٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس برخاست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا۔ اس کے بعد خود اہل مجلس اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے اس لئے اس کے کھڑے ہونے کو آپ ﷺ گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم

یہ مجلس کے کچھ آداب بیان کیے گئے ہم بھی ان کا خیال رکھتے ہوئے اپنی زندگی و معاشرت سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں۔ انشاءاللہ کامیابی ہی کامیابی ملے گی۔

دوستی کے آداب

نیک لوگوں سے دوستی رکھیں

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما مثل الجليس الصالح و جليس السوء كحامل المسک، و نافخ الكير فحامل المسک اما

ان یعطیک و اما ان تبتاع منه و اما ن تجد منه
ریحاً طیبةً، و نافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک
و اما ان تجد منه ریحاً منتنة (متفق علیه)

"جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اچھے ہمنشین اور
برے ہمنشین کی مثال مشک والے اور بھٹی والے کی
طرح ہے۔ صاحب مشک یا تو خود آپ کو دیں گے یا
آپ اس سے خریدیں گے یا کم از کم خوشبو تو آتی ہی
رہے گی اور بھٹی والا یا تو آپ کا کپڑا اجلا ڈالے گا یا کم از
کم اس کی بدبو آتی ہی رہے گی۔"

فائدہ

اس سے معلوم ہوا کہ اچھی صحبت فائدہ سے خالی نہیں اور بری صحبت نقصان سے خالی نہیں اس لئے اچھی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

دوستی میں دینداری کو دیکھیں

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه عن
النبی صلی الله علیه و سلم قال : لا تصاحب
الا مؤمنا ولا یاکل طعامک الا تقی.
(رواه الترمذی)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف مسلمان کی صحبت اختیار کرو اور تمہارا کھانا صرف متقی اور پرہیز گار ہی کھائے۔''

فائدہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار سے بلا ضرورت میل جول رکھنا یا دوستی کرنا نقصان دہ ہے اور دوستی نیک، متقی اور پرہیز گار لوگوں سے رکھنی چاہئے۔ اس لئے متقی پرہیز گار کو کھانا کھلانے کی صورت یہی ہے کہ ان سے دوستی اللہ تعالیٰ کی خاطر قائم کی جائے۔ اور ان کی خدمت میں حاضری دی جائے۔

صحبت اچھی ہو یا بری، اثر انداز ہوتی ہے

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : الرجل علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل. (جامع ترمذی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے دوستی کرتے وقت دیکھے کس طرح کے آدمی سے دوستی کر رہا ہے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ انسان جس قسم کے لوگوں سے اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہے انہی کی عادت وخصلت کو اپناتا ہے اگر نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھے گا اچھی عادت وخصلت سیکھے گا اور اخلاق حمیدہ کا مالک ہوگا اور بری صحبت اختیار کرے گا تو اخلاق رذیلہ سے متصف ہوگا اس لئے دیکھ کر دوستی کرنی چاہئے، متقی پرہیزگاروں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

نیک صحبت کا اثر

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی الله عنه قال، قیل للنبی صلی الله علیه وسلم الرجل یحب القوم و لما یلحق بهم قال المرء مع من احب. (متفق علیه)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمی نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن اعمال کے ذریعہ ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ پاتا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا آدمی کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے اور اعمال صالحہ بھی حسب استطاعت کرتا ہے اس کے باوجود اعمال میں اہل اللہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی محبت کی برکت سے ان کو اہل اللہ کے مرتبہ تک پہنچا دے گا۔

نیک صحبت پر جنت کی رفاقت

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اعرابیا قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متی الساعۃ؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اعددت لھا؟ قال احب اللہ ورسولہ قال انت مع من احببت.

(متفق علیہ واللفظ لمسلم)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک بدوی شخص نے جناب نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ تو اس نے کہا کہ بہت زیادہ روزہ

نماز اور صدقہ کے ذریعہ تو تیاری نہیں کی لیکن اللہ اور
اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے
ارشاد فرمایا تم قیامت کے دن انہی کے ساتھ ہو گے جن
سے محبت کرتے ہو۔"

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ فرائض، واجبات، سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد اگر نوافل کی کثرت نہ بھی ہو مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو یعنی ان کی اطاعت کرے اور ہر قسم کی نافرمانی سے بچے تو اس کے لئے قیامت کے دن نجات ہے اور سرخ روئی ہے گناہوں سے اجتناب، تقویٰ کے حصول کا راستہ یہی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اسی کا حکم فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ
الصّٰدِقِيْنَ.

"اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ رہو"۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ

عَيْنَکَ عَنْهُمْ. (سورہ کہف ۲۸)

''اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو
صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاء جوئی
کے لئے کرتے ہیں۔''

بہر حال اس آیت اور احادیث مبارکہ سے اچھی صحبت اختیار کرنے اور اہل تقوی کے پاس آنے جانے اور ان کی صحبت میں بیٹھنا بہت ہی مفید معلوم ہوا۔ ہمیں اللہ پاک اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرنے اور بری صحبت سے اجتناب کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آدابِ گفتگو

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جائے اور ظرافت ومزاح اور کسی بات پر ہنسنے یا چھینک اور جمائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضور ﷺ کے ہر قول وسنت پر قربان جائیں کہ زندگی کے ہر موڑ پر آپ نے امت کی رہبری فرمائی ہے۔ کسی موڑ پر امت کو تنہا نہیں چھوڑا تا کہ امت اپنے آپ کو تنہا محسوس نہ کرے۔ حیرانی و پریشانی کے عالم میں

سرگرداں نہ ہوں، بہکانے والے اس کو بہکا نہ سکیں۔

اگر زندگی کے کسی دلدل میں پھنس جائے تو پھر بھی آپ ﷺ نے راستہ واضح طور پر بتلایا ہے تاکہ زندگی کے ہر گوشے میں اتباع سنت کی جھلک نظر آئے، جس کی روشنی میں زندگی کا سفر صحیح طے کرسکیں۔

اس سلسلے میں آپ کی ہدایات وتعلیمات کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں کو وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرسکے۔ لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو اس کے احکام اور اپنے عمل اور رویہ کے اخروی انجام کو پیش نظر رکھے۔

زبان کے استعمال اور بات چیت کے بارے میں آنحضرت ﷺ خصوصی طور پر ارشاد فرماتے ہیں۔

مختصر گفتگو زیادہ بہتر ہے

عن عمرو بن العاص ﷺ انه قال يوماً و قام رجل فاكثر القول فقال عمرو لو قصد في قوله لكان خيراً له سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لقد رايت اوقال امرت ان اتجوز في القول فان الجواز هو خير . (ابو داؤد)

''حضرت عمرو بن العاص ﷺ سے روایت ہے کہ ایک دن جب کہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہوکر (وعظ وتقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔ یا آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔''

فائدہ

تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات کرنے سے سننے والے اکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر و وعظ سے سامعین شروع میں بہت اثر لیتے ہیں لیکن بات جب حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

خصوصیت سے واعظین و مبلغین حضرات اس حدیث پر غور کریں اپنی تقریروں کا بے اثر ہونا معلوم ہو جائے گا۔ اس لئے فرمایا کہ

حکمت مؤمن کا گم شدہ مال ہے۔ جہاں کہیں اسے پاتا ہے اپنا لیتا ہے۔ جب بات حکمت کے دائرے میں ہوتی ہے تو سامنے والے اس سے بہت اچھا اثر لیتے ہیں۔ اگر بات حکمت سے خالی ہو تو جتنا بھی آپ زور لگائیں کچھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بنیاد قائم کی کہ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ.(سورۃ النحل: ۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور ان سے خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں۔''

اس بنیاد پر لوگوں سے بات کرنا ہے اور انہیں وعظ و نصیحت کرنا ہے۔ یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ ﷺ کے لئے اور آپ کے پیروکاروں کے لئے مقرر کی گئی تھی۔

معمولی بات سرخروئی کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے اور ہلاکت کا باعث بھی

عن بلال بن الحارث ﷺ قال قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم ان الرجل یتکلم
بالکلمة من الخیر مایعلم مبلغها یکتب الله له
بها رضوانه الیٰ یوم یلقاه وان الرجل یتکلم
بالکلمة من الشر مایعلم مبلغها یکتب الله
بها علیه سخطه الیٰ یوم یلقاه .... (ترمذی،
ابن ماجه، شرح السنة للبغوی)

”حضرت بلال بن الحارث ﷺ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی زبان سے
کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے
جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں
جانتا۔ مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے
حضور میں حاضری تک کے لئے اس بندہ کے واسطے
اپنی رضا طے فرما دیتا ہے اور (اسی طرح) کبھی آدمی
کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس

کی برائی اور خطرناکی کے حدود، وہ خود بھی نہیں
جانتا۔ مگر اللہ تعالیٰ اسی بات کی وجہ سے اس آدمی پر
آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے
غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔"

بات سوچ کر اور تول کر کہیں

حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پرواہ ہو کر باتیں نہ کرے۔ منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے خاص رضا و رحمت کا مستحق بنا دیتی ہے اور (خدا پناہ دے) ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اس کو رضا و رحمت الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہنچا دے۔

زبان کا وجود چھوٹا مگر کارنامے بڑے

انسان کے اعضاء میں زبان ایک ایسا عضو ہے جو ہے چھوٹا لیکن بنسبت دوسرے اعضاء کے اس کو خاص قسم کی اہمیت حاصل ہے۔ گو عضو چھوٹا سا ہے لیکن اس کے کرشمے بڑے بڑے ہیں۔ اس کی خوبیاں بھی بہت ہیں اور خرابیاں بھی بہت ہیں۔ اس کی وجہ سے آخرت کے بڑے بڑے درجات بھی نصیب ہوں گے کیونکہ اس سے بڑی بڑی نیکیاں

صادر ہوتی ہیں۔ اور دوسرے اعضاء جو نیک کام کرتے ہیں عموماً ان میں بھی زبان کی معاونت اور شرکت ہوتی ہے۔ دوسرا رُخ یہ ہے کہ زبان سے بہت سے گناہ بھی ہوتے ہیں اور دوسرے عضو کے گناہوں میں اس کی معاونت اور شرکت ہوتی ہے۔

کفر اور شرک کے کلمات بھی زبان سے ہی نکلتے ہیں۔ جھوٹی قسم اسی سے کھائی جاتی ہے۔ جھوٹی گواہی اسی سے دی جاتی ہے اور غیبت، بہتان چغلی، کسی کا مذاق بنانا، کافروں، فاسقوں کی تعریف کرنا، گانا بجانا، لغو باتیں کرنا سب اسی زبان سے بولے جاتے ہیں۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا خوف ہے۔ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا سب سے زیادہ اس کا خوف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا کہ جتنا زبان کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے کسی دوسری چیز کو اس قدر مقید رکھنا ضروری نہیں۔ کیونکہ زبان کی آفات بہت زیادہ ہیں۔ انسان کے سر گناہوں کے بوجھ بندھوانے میں زبان سب اعضاء سے بڑھ کر ہے۔ گناہوں سے بچانا سب اعضاء کو ضروری ہے لیکن زبان کی دیکھ بھال اور اس پر قابو پانا سب سے زیادہ اہم ہے۔

حضرت یونس ابن عبیدؒ نے فرمایا جو شخص زبان کو غور کر کے استعمال کرتا ہے۔ میں اس کے اعمال اچھے دیکھتا ہوں اور ایک بزرگ نے فرمایا کہ اپنی بات کو مال کی طرح محفوظ رکھو اور جب خرچ کرنا چاہو تو خوب دیکھ بھال کر اور خوب سوچ سمجھ کر خرچ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اپنی زبان کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھو۔ کیونکہ آج جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے ان سب میں زبان کا دخل ہے۔ اگر لوگ اپنی زبانوں کو کنٹرول میں رکھتے تو معاشرہ اتنا نہیں بگڑتا جو معاشرہ میں بگاڑ آتی ہے وہ اس بے توجہی سے آتی ہے۔

انسان پاؤں سے کم، مگر زبان سے زیادہ پھسلتا ہے

عن ابی هريرة ﷺ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ان العبد ليقول الكلمة لا يقولها الا ليضحک به الناس يهوی بها ابعد مما بين السماء و الارض وانه ليزل عن لسانه اشد مما يزل عن قدمه.

(رواه البيهقی فی شعب الايمان)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ بندہ کوئی کلمہ کہہ دیتا

ہے اور صرف اس لئے کہتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے۔ اس
کلمہ کی وجہ سے ایسی (ہلاکت والی) گہرائی میں گرتا چلا
جاتا ہے جس کا فاصلہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے جتنا
فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ (پھر فرمایا) بلا
شبہ انسان اپنی زبان سے اتنا زیادہ پھسل جاتا ہے جتنا
اپنے قدم سے (بھی) نہیں پھسلتا"۔

لوگوں کو ہنسانے کے لئے غلط بات کہنا ہلاکت کا باعث ہے

اس حدیث میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ بعض مرتبہ لوگوں کو ہنسانے کے لئے انسان ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے کہ جس کی وجہ سے ہلاکت کی گہرائی میں گرتا چلا جاتا ہے اور یہ گہرائی اس فاصلہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ انسان بعض مرتبہ اپنی زبان سے اتنا زیادہ پھسلتا ہے جتنا کہ اپنے قدم سے بھی نہیں پھسلتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر قدم سے پھسل جائے تو تھوڑی بہت چوٹ لگ جاتی ہے جو دو چار دن میں اچھی ہو جاتی ہے۔ اور اگر زبان لغزش کھا جائے تو اس سے دنیا و آخرت کی تباہی ہو جاتی ہے۔

اگر کفر و شرک کا کلمہ کہہ دیا تو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں گیا اور کسی کو اگر گالی

دی۔ یہاں کی وہاں لگادی، لگائی بجھائی کی، دو خاندانوں میں لڑائی کرادی ظاہر ہے کہ زبان نے ذرا سی حرکت کی اور اتنی بڑی بڑی مصیبتیں اس کے حق میں اور دوسروں کے حق میں کھڑی ہوگئیں۔ اس لئے زبان کو سختی سے حفاظت میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

افسوس ہے کہ اس نعمت خداوندی کو آج ہم نے گندی چیزوں میں ڈبو کر رکھ دیا ہے۔ اگر گندگی سے نکال بھی دیں تو بدلی نہیں جاتی ہے۔ ایسی بدبودار ہوگئی ہے کہ مجلس میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہی۔ اگر حرکت میں آجاتی ہے تو پورے معاشرے کو آلودہ کر دیتی ہے۔ بلکہ اس کے اثرات بارشوں پر، پہاڑ پر، جنگلوں اور دریاؤں اور تمام مخلوقات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

کبھی ہم نے اس مرض کے علاج کے بارے میں بھی نہیں سوچا جب کہ اس کا علاج کرانا لازمی ہے۔ اس کو ٹھیک کئے بغیر معاشرے کی درستگی مشکل ہے۔ معاشرہ تب ہی ٹھیک ہوسکتا ہے جب کہ ہم اس (زبان کا) علاج کرا کے اس سے یہ مرض چھڑائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا زبان کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط

عن عطاء بن یسار قال ان رسول اللّٰہ صلی
اللّٰہ علیہ وسلم قال من وقاہ اللہ شر مابین
لحییہ وما بین رجلیہ دخل الجنۃ.

(موطاء امام مالک)

''حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور
اقدس ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں
کی برائی سے محفوظ رکھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا
یعنی زبان اور شرم گاہ۔''

فائدہ

اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غیبت، بدگوئی، نکتہ چینی، فحاشی، سب وشتم اور لایعنی باتوں سے نہایت احتراز کرتے تھے۔

حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نہایت کم سخن تھے۔ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتایئے جس کا میں التزام کرلوں۔ آپ ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو وہ پہلے ہی سے کم سخن تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو نہایت آسان کام ہے لیکن ان کا بیان ہے کہ جب میں نے

اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا۔ (استیعاب)

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں کیں جن میں ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت بھی نامناسب الفاظ استعمال نہیں کیے۔ (استیعاب)

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تھا تو اس پر ان کو سخت ندامت ہوتی تھی۔ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ بولے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کروں گا۔ انہوں نے اب بھی انکار کیا۔ معاملہ آپ ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے استغفار کرو۔ انہوں نے ان کے لئے دعا مغفرت مانگی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔ (مسند ابن حنبل)

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں سخت کلامی ہوگئی۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ندامت

ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معافی مانگی۔ انہوں نے معافی سے انکار کیا تو گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا خدا تمہاری مغفرت کرے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پشیمانی ہوئی۔ دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، ان سے ملاقات نہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہے۔ اس حالت میں دیکھ کر خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ مبادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی ناگوار بات نہ پیش آجائے، اس لئے دو زانو ہو کر کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے بڑا ظلم کیا۔ (بخاری)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ زبان کے معاملہ میں انتہائی محتاط رہتے تھے اور اس کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں۔ بولے اے ابو بکر خدا آپ کی مغفرت کرے۔ اپنی زبان مت کھینچئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ زبان مجھے تباہ کرنا چاہتی ہے۔ (موطاء امام مالک)

سنگین جرائم کا زبان سے تعلق ہے

عن ابن مسعود ﷺ قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول اکثر خطایا ابن ادم فی لسانه (المعجم الکبیر)

"حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے اکثر وزیادہ تر گناہ زبان میں ہوتے ہیں۔"

فائدہ

اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی جسم میں جتنے زیادہ گناہ زبان کی اس قدرتی مشین سے سرزد ہوتے ہیں، شاید ہی کسی اور عضو سے اتنے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو۔

زبان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان میں سے بہت سے تو وہ ہیں جنہیں سب جانتے ہیں، مثلاً جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، اور گانا بجانا وغیرہ۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ناجائز (اور گناہ) ہیں، اگر کوئی شخص ان کا ارتکاب کرتا بھی ہے تو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، دل میں شرمندہ ہوتا ہے، اور یہ امید رہتی ہے کہ کسی وقت اس گناہ سے نجات حاصل

کریگا۔ لیکن زبان کے بعض سنگین جرائم ایسے ہیں جن کے گناہ ہونے کا احساس بھی لوگوں کو نہیں ہوتا۔ اور جب بیمار کو اپنی بیماری کا شعور بھی نہ ہو تو اس کی صحت کی کیا خاک امید ہوسکتی ہے؟ اس لئے یہ جرائم زیادہ خطرناک اور موجب ہلاکت ہیں، آج اسی قسم کے چند گناہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

لایعنی باتیں

زبان ایک قدرتی مشین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسان کو مرحمت فرمائی ہے تاکہ وہ اس کو ایسے کاموں میں صرف کرے جو اس کے دین یا دنیا کے لئے مفید ہوں، لہٰذا اگر اس کو کسی ایسے کاموں میں استعمال کیا جائے جو نہ دین کے لئے مفید ہو نہ دنیا کے لئے، تو یہ اس قدرتی مشین کا بیجا استعمال ہوگا اور اسلام میں اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے، فضول اور بے فائدہ باتوں میں زبان کا استعمال کرنا ہر اعتبار سے مضر ہی مضر ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں منقول ہے:

كان صلى الله عليه وسلم نزر الكلام
طويل الصمت

''آپ کم گو اور زیادہ تر خاموش رہنے والے تھے۔''

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ قول نقش کرایا ہوا تھا کہ:

قل الخیر و الا فاصمت

''نیک بات کہو، ورنہ خاموش رہو۔''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

علمائے دیوبند میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف ہیں) عجیب شان کے بزرگ تھے، مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے، ایک روز میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ''آج گفتگو عربی میں کریں گے۔'' اس سے قبل چونکہ حضرت نے کبھی ایسی فرمائش نہیں کی تھی اس لئے مجھے حیرت ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کی حکمت بیان فرمائی کہ ''عربی میں بلا تکلف بولنے کی مشق نہ تم کو ہے، نہ مجھے، اس لئے اس قید کی وجہ سے باتیں کم ہوں گی۔'' اور پھر فرمایا کہ ''ہماری مثال اس مسافر کی سی ہے جس کی روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی ختم ہونے لگی ہو، اب وہ ایک ایک روپیہ بڑی احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔''

فضول مباحثے

لایعنی باتوں ہی کی ایک قسم جس میں اہل علم بطور خاص مبتلا ہو جاتے ہیں، فضول بحث و مباحثہ ہے جس کے پیچھے کوئی فائدہ نہ ہو، ایک بحث و مباحثہ تو وہ ہے جس کا مقصد تحقیق حق ہوتا ہے اور جو طالب علم کی خصوصیت ہے وہ تو بلاشبہ جائز بلکہ مستحسن ہے، مقولہ مشہور ہے کہ ''طالب علم کہ چون و چرانہ کند وصوفی کہ چون و چرا کند، ہر دو را بہ چراگاہ باید رفت'' لیکن یہاں میری مراد ان بحثوں سے ہے جن کے پیچھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ دو بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے استرشاد کے لئے بلخ سے دہلی پہنچے، حوض پر وضو کرنے بیٹھے تو دونوں میں بحث چھڑ گئی کہ یہ حوض بڑا ہے یا بلخ والا فلاں حوض، کافی دیر تک جانبین سے دلائل پیش کئے جاتے رہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ہوگئی، جب دونوں نماز کے بعد حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''کیا فیصلہ ہوا کونسا حوض بڑا ہے دونوں خاموش رہے تو حضرت نے فرمایا کہ جاؤ تمہارا علاج یہ ہے کہ دونوں حوضوں کی پیمائش کر کے پہلے اپنی بحث

کا فیصلہ کرو، اس کے بعد آگے بات ہوگی۔“

عوام میں بھی یہ مرض آج کل شدید ہو رہا ہے کہ دین کی ضروری باتوں سے مطلق بے خبر ہیں مگر فضول کی بحثوں میں الجھے رہتے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه.

یعنی انسان کے اسلام کی اچھائی کا یہ جز ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے“۔

زبان کا علاج کیسے؟

پھر خطرناک عضو کا علاج کیسے ہو سکے گا۔ بالکل آسان ہے۔ ذکر اللہ سے ہمیشہ رطب اللسان ہوں۔ تلاوت کرنے سے اللہ کی بڑائی بیان کرنے سے خصوصاً کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھنے سے یا یہ کہ کچھ اوقات فارغ کر کے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ جا ملنے سے، جنہوں نے خانقاہوں کا رخ کیا یا تبلیغی جماعتوں کا۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہ ایسے ہی نعمتوں سے نوازے گئے جنہیں دیکھ کر رشک آتا ہے۔

کاش ساری دنیا اس طرف رخ کرے۔ کوئی نافرمان نہ ہو۔ بلکہ سب کے سب فرمانبردار ہوں۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی نعمتوں کو صحیح

استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خصوصاً شریعت و سنت کی مکمل اتباع نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

انسانی زندگی میں شریفانہ مزاح کی حیثیت

ظرافت و مزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے تجاوز ہونا نازیبا اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹے اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت و مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرت و حوصلہ افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ بھی کبھی کبھی اپنے جانثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کی نہایت فرحت بخش، شفقت ہوتی تھی۔ لیکن آپ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ و شریفانہ ہوتا تھا۔ ہر قسم کی بے ہودہ باتوں سے پاک و صاف ہوتے تھے نہ کسی کو نشانہ بناتے نہ کسی کی عیب جوئی ہوتی نہ اپنی حالت

بدلنے کی نوبت آتی جو کہ بعض لوگ دوسروں کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ پر مبنی مزاح کرتے ہیں اور اپنے حلیہ کو بدل لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے گندے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ شریف آدمی اس مجلس میں بیٹھ نہیں سکتے۔ اس طرح کے مزاح کی کوئی گنجائش نہیں اس سے اصلاح معاشرہ میں درستگی نہیں بلکہ تخریب کاری پیدا ہوتی ہے۔

آپ ﷺ مزاح تو کرتے تھے لیکن وہ حقیقت پر مبنی ہوتا تھا۔ جس کا اس حدیث پاک سے خوب اندازہ ہوتا ہے۔

مذاق حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے

عن ابی هریرة ﷺ قال قالوا یارسول الله انک تداعبنا، قال انی لا اقول الا حقا. (ترمذی)

''حضرت ابو ہریرۃ ﷺ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں (مزاح میں بھی) حق ہی کہتا ہوں (یعنی میرے مزاح میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں میں تم کو سواری کے لئے ایک اونٹنی کا بچہ دوں گا اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ اونٹنیوں کے تو بچے ہوتے ہیں (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہے۔ جو اونٹ دیا جائے گا وہ بھی اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا) کتنا ہی پر لطف مزاح آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے حقیقت کو بھی ظاہر کیا اور مزاح کا لطف بھی حاصل ہوا نہ کوئی بے ہودہ بات کی نہ حقیقت سے خالی۔

آپ ﷺ نے ہر طرح سے امت کو جھوٹ کی لعنت سے بچنے کے لئے ایسی ایسی تدابیر اختیار کروائی ہیں کہ اگر ہر ہر امتی ان ہدایات و ارشادات اور تدابیر کی روشنی میں اپنی منزل کو طے کریں تو انشاء اللہ کسی طرف بھی بھٹکنے کی نوبت نہ آئے گی جو آج کل بے راہ روی ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب آپ ﷺ کی تعلیمات و ارشادات سے دوری کا نتیجہ ہے ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ایسا ہی مزاح فرمایا ہے۔

کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائیگی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی اس (بے چاری) نے عرض کیا کہ ان میں (یعنی بوڑھیوں میں) کون سی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی (وہ بوڑھی قرآن پڑھی ہوئی تھی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھتی ہو۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً، فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا. (سورة الواقعة: ۳۵،۳۶)

"یقین جانو! ہم نے ان عورتوں کو نئی اُٹھان دی ہے،
چنانچہ انہیں کنواریاں بنایا ہے۔"

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنت کی عورتوں کی نئے سرے سے نشونما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنادیں گے۔

ضحک و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا) کے حدود وآداب

خوشی کے موقع پر ہنسنا یا مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس میں قطعا کوئی خیر نہیں ہے کہ آدمی کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ ہی نہ

آئے۔ اور وہ ہمیشہ منہ بنائے بیٹھا رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ اللہ کے بندوں اور اپنے مخلصوں سے ہمیشہ مسکرا کر ملنے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا یہ رویہ اور برتاؤ ان لوگوں کے لئے کیسی قلبی و روحانی مسرت کا باعث ہوتا ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کے اخلاص و محبت میں کتنی ترقی ہوتی ہوگی۔ آج یہ امت کے لئے نمونہ ہے کہ ہر کوئی اپنے ماتحتوں اپنے ہم نشینوں اور ہم سفروں بلکہ جس کسی سے بھی سامنا ہو اس کے لئے اپنے لبوں پر مسکراہٹ لئے ہوئے ہو۔

اللہ نے یہ عظیم نعمت عنایت فرمائی ہے تو اس کو استعمال کر کے لوگوں میں اخوت اور بھائی چارہ بڑھائیں۔ یہ تجربے کی بات ہے کہ اپنے تو اپنے ہیں پرائے بھی اس سے اچھا اثر لیتے ہیں، یہ انسان کے عمدہ اخلاق ہونے کا ثبوت ہے۔

مسکراہٹ سنت ہے

عن عبداللہ بن الحارث بن جذء قال مارأیت احداً اکثر تبسماً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . (ترمذی)

”عبداللہ بن الحارث ﷺ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی
دوسرا نہیں دیکھا۔''

فائدہ

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور ﷺ کو کبھی پوری طرح (کھل کھلا کر) ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے دہن مبارک کے اندرونی حصہ پر نظر پڑ جائے۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ کے دھن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آسکے) بلکہ آپ ﷺ مسکرایا کرتے تھے۔

بعض روایات میں آپ ﷺ کے ہنسنے کو ضحک سے بھی تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد وہی ہنسنا ہے جو آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی یعنی مسکرانا۔ البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا۔

اکثر آپ ﷺ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ کھل کھلا کر ہنسنے میں بہت سے نقصانات ہیں۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ چہرہ سے نورانیت ختم

ہو جاتی ہے بلکہ چہرہ بگڑ جاتا ہے تو ہنسی مزاح میں احتیاط نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت و سنت کی مکمل اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(وأخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین)

☆......☆......☆

عظمتِ قرآن
اور
آدابِ تلاوت

افادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذِ رشید

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

مرشد المؤمنین قطب الاقطاب حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دارالکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

قرآن رفعت وعظمت کا ضامن

عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّاب صلى الله عليه وسلم قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰـهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ . (رواه مسلم)

حضرت عمرؓ حضور اقدس صَلَّی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہِ نحمده علٰی ما انعم وعلّمنا ما لم نعلم والصّلٰوة علٰی افضل الرسل واکرم. وعلٰی آلِہ وصحبه وبارک وسلم.

اما بعد!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا. وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا. وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا .

(سورۃ بنی اسرائیل: آیت/ ۱۱)

”یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں

اچھے کہ ان کے لئے ہے ثواب بڑا۔ اور یہ کہ جو نہیں
مانتے آخرت کو ان کے لئے تیار کیا ہے ہم نے عذاب
دردناک۔ اور مانگتا ہے آدمی برائی جیسے مانگتا ہے
بھلائی اور ہے انسان جلد باز ''۔

عظمتِ قرآن

قرآن جس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے اس کو ''اقوم'' کہا گیا ہے اقوم کی تفسیر یہ ہے کہ وہ راستہ جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب بھی ہو۔ آسان بھی ہو۔ خطرات سے خالی بھی ہو۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم انسانی زندگی کے لئے جو احکام دیتا ہے وہ ان تینوں اوصاف کے جامع ہیں اگر چہ انسان اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بعض اوقات اس راستہ کو دشوار یا پر خطر سمجھنے لگے لیکن رب العالمین جو کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم رکھتا ہے اور ماضی و مستقبل اس کے سامنے یکساں ہے وہی اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ انسان کا نفع کس کام اور کس صورت میں زیادہ ہے اور خود انسان چونکہ مجموعی حالات سے واقف نہیں وہ اپنے بھلے برے کو بھی پوری طرح نہیں پہچان سکتا۔

شاید اسی مناسبت سے مذکورہ آیات میں سے آخری آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ انسان تو بعض اوقات جلد بازی میں اپنے لئے

ایسی دعا مانگ لیتا ہے جو اس کے لئے تباہی و بربادی کا سبب ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کی ایسی دعا کو قبول فرمالیں تو یہ برباد ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اکثر ایسی دعاؤں کو فوراً قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ خود انسان سمجھ لیتا ہے کہ میری یہ درخواست غلط اور میرے لئے سخت مضر تھی اور آیت کے آخری جملہ میں انسان کی ایک طبعی کمزوری کو بطور ضابطہ کے بھی ذکر فرمایا کہ انسان اپنی طبیعت سے ہی جلد باز واقع ہوا ہے سرسری نفع نقصان پر نظر رکھتا ہے انجام بینی اور عاقبت اندیشی میں کوتاہی کرتا ہے فوری راحت چاہے تھوڑی ہو اسکو بڑی اور دائمی راحت پر ترجیح دینے لگتا ہے اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں عام انسانوں کی ایک طبعی کمزوری کا بیان ہے۔

اگرچہ بعض ائمہ تفسیر نے اس آیت کو ایک خاص واقعہ کے متعلق قرار دیا ہے وہ یہ کہ نضر بن حارث نے اسلام کی مخالفت میں ایک مرتبہ یہ دعا کرڈالی۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ.(سورۃ الانفال: ۳۲)

یعنی یا اللہ اگر آپ کے نزدیک یہ اسلام ہی حق ہے تو ہم پر آسمان

سے پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔ اس صورت میں انسان سے یہ خاص انسان یا جو اس کے ہم طبع ہوں مراد ہوں گے۔

قابلِ رشک عظیم نعمت

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لا حَسَدَ اِلَّافِي اِثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَـآءَ اللَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ.

(متفق علیه)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''صرف دو شخصوں کے بارے میں حسد (جائز) ہے ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی اور وہ شخص (بعض اوقات کے علاوہ) دن اور رات کے اکثر حصہ میں اس قرآن میں مشغول رہتا ہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو دن و رات کے اکثر حصہ میں خرچ کرتا ہے (راہ خدا میں خرچ کرنا مراد ہے)۔''

فائدہ

قرآن پاک کے ماہر، قدردان اور سخی کی فضیلت اس حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے کہ ان دونوں پر حسد ورشک جائز ہے۔

حسد سے مراد اس حدیث میں غبطہ ہے جسے رشک بھی کہتے ہیں اس کو حسد مجازًا کہا جاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ غبطہ اور رشک دنیاوی امور کے سلسلہ میں ہو تو مباح ہے اور اگر دینی امور کے سلسلہ میں ہو تو وہ مستحب ہے۔ مثلاً کسی شخص کو مسجد بناتا ہوا دیکھ کر یہ آرزو وخواہش کرے کہ کاش اگر میرے پاس بھی روپیہ ہو تو میں بھی ایسی مسجد بنادوں، یہ رشک پسندیدہ ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی کے پاس اگر ایسی نعمت ہو کہ وہ قرب الٰہی کا ذریعہ بنتی ہو۔ جیسے تلاوت قرآن، صدقہ وخیرات، اور ان کے علاوہ دوسری نیکیاں و بھلائیاں تو ایسی نعمت کے حصول کی خواہش وآرزو پسندیدہ ہوگی۔ باقی حسد کرنا، جلنا کہ کسی کے پاس نعمت دیکھ کر تمنا اور خواہش کرنا کہ یہ اس کے پاس کیوں ہے میرے پاس ہو۔ متفقہ طور پر حرام ہے ’’قرآن کی نعمت جس کو اللہ نے عطا فرمائی ہو‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو قرآن پڑھنے اور یاد کرنے کی توفیق

عطا فرمائی پھر وہ اس کے علوم و احکام میں غور و فکر کرے اور اس کے احکام و ممنوعات پر عمل کرے نماز میں قرآن پڑھے یہ خوش نصیبی ہے۔

کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے محبوب و مطلوب کے فرمودہ الفاظ ہیں عاشقوں سے پوچھئے کہ محبوب کے خط کی، محبوب کی تقریر و تحریر کی کیا وقعت ہوتی ہے، پھر جب عشق حقیقی ہو تو اللہ کے عاشقوں سے پوچھیں کہ جمال حقیقی کیا ہے۔ سُبحان اللہ

مشغولیتِ قرآن کی برکت

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰهِ تَعَالیٰ عَلیٰ سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰهِ عَلیٰ خَلْقِهٖ.

(رواه الترمذی و الدارمی)

حضرت ابو سعیدؓ راوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن کریم میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے باز رکھتا ہے تو

میں اس کو اس چیز سے بہتر عطا کرتا ہوں جو مانگنے
والوں کو دیتا ہوں اور تمام کلاموں کے مقابلہ میں کلام
اللہ کو وہی عظمت و بزرگی حاصل ہوگی جو اللہ رب
العزت کو اس کی تمام مخلوقات پر بزرگی اور برتری
حاصل ہے۔ (لہٰذا قرآن کریم میں مشغول رہنے
والے کو دوسری چیزوں میں مشغول رہنے والوں پر بھی
اسی طرح برتری و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔")

فائدہ

اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن یاد کرنے اس کے مفہوم و معنی کے سمجھنے اور جاننے اور قرآن کریم میں مذکورہ احکام و ہدایات پر عمل کرتے میں ایسے لگا رہے کہ اس کی یہ مشغولیت اس کو ان اذکار و اوراد اور دعا سے کہ جو کلام اللہ کے علاوہ ہیں باز رکھتی ہے یعنی وہ قرآن میں مشغولیت کی وجہ سے نہ تو مجھے یاد کرتا ہے اور نہ ہی مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں کیونکہ قرآن کے ساتھ اس درجہ کی مشغولیت اور انہماک درحقیقت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ شخص اپنی ہر خواہش اور اپنی ہر طلب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے کلام پاک ہی سے تعلق قائم کیے ہوئے ہے لہٰذا

اس کے عظیم جذبہ کے تحت اسے یہ اجر دیا جائے گا۔

دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن ہے

قرآن کریم اس جہاں میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں آسمان و زمین اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی۔

انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی قرآن کریم میں اشتغال اور اس کو حاصل کرنا ہے، اور سب سے بڑی شقاوت و بدنصیبی اس سے اعراض اور اُسے چھوڑنا ہے، اس لئے ہر مسلمان کو اس کی فکر تو فرض عین اور ضروری ہے کہ قرآن کریم کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھنے اور اولاد کو پڑھانے کی کوشش کرے، اور پھر جس قدر ممکن ہو اس کے معانی اور احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی فکر میں لگا رہے، اور اس کو اپنی پوری عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ بھی نصیب ہو جائے اس کو اس جہاں کی سب سے بڑی نعمت سمجھے۔

قرآن کی تلاوت باعث اجر و برکت

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِائَۃَ آیَۃٍ لَمْ یُحَاجَّہُ الْقُرْآنُ تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَمَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِائَتَیْ آیَۃٍ کُتِبَ لَہٗ قُنُوْتُ لَیْلَۃٍ وَمَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ خَمْسَ مِائَۃٍ اِلَی الْأَلْفِ أَصْبَحَ وَلَہٗ قِنْطَارٌ مِنَ الْأَجْرِ قَالُوْا وَمَا الْقِنْطَارُ قَالَ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا. (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

اور حضرت حسن بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی رات میں (قرآن کی) سو آیتیں پڑھے تو اس رات میں قرآن اس سے نہیں جھگڑے گا اور جو شخص کسی رات میں دو سو آیتیں پڑھے تو اس کے لئے شب بیداری کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو شخص رات میں پانچ سو سے ہزار تک آیتیں پڑھے تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے قنطار کا ثواب (لکھا جا چکا) ہوتا ہے''۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ''قنطار کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''بارہ ہزار درہم یا دینار''۔

فائدہ

لَمْ یُحَاجَّہُ الْقُرْآنُ .

یعنی قرآن کریم اس شخص سے نہیں جھگڑے گا اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نہیں کرے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا تو قرآن اس کا دشمن بن جائے گا اور اپنے حق کا مطالبہ اس سے کرے گا پھر اس کے خلاف شکایت کرے گا یہاں اتنی بات جان لینی چاہئے کہ قرآن کا جھگڑا اور لعنت ملامت کرنا دو سبب سے ہے ایک قرآن نہ پڑھنے کی وجہ سے اور دوسرا قرآن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان دو کاموں میں اگر کوئی شخص کوتاہی کرتا ہے تو قرآن اس سے جھگڑا کرے گا۔ اب اگر کوئی شخص عمل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا صرف تلاوت میں کوتاہی کرتا ہے تو تلاوت کرنے سے یہ جھگڑا ختم ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص تلاوت تو کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا تو صرف تلاوت سے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا بلکہ عمل کرنے سے ختم ہوگا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی تلاوت ہر مسلمان پر واجب ہے۔

بہر حال اس حدیث میں جھگڑے کی نسبت قرآن کی طرف

مجازی ہے حقیقت میں یہ جھگڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ بعض شارحین نے اس وعید کو ان حفاظ قرآن کے لئے بتایا ہے جن کے قرآن بھول جانے کا خطرہ ہے اور وہ اس کی حفاظت نہیں کرتے ہیں۔

قنطار: ڈھیر اور خزانہ کے معنی میں ہے یعنی اس کے وزن کے برابر ثواب ملے گا یا تعداد کے برابر ثواب ملے گا یعنی بارہ ہزار درہم یا دینار۔

درس وتدریس کے ذریعہ قرآن کو عام کریں

وَعَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوْا الْقُرْآنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا بِهٖ فَإِنَّ لَهُ ثَوَابًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

''اور حضرت عبیدہ ملیکی ؓ جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی تھے راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے اہل قرآن: قرآن سے تکیہ نہ کرو اور رات و دن میں پڑھتے رہا کرو جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے قرآن کو

ظاہر کرو، اسے خوش آوازی کے ساتھ پڑھو جو کچھ اس
میں مذکور ہے اس میں غور وفکر کرو تا کہ تمہارا مطلوب
(آخرت) حاصل ہو اور اس کا ثواب حاصل ہو اور اس
کا ثواب حاصل ہونے میں جلد بازی نہ کرو (یعنی دنیا
ہی میں اس کا اجر حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو) کیونکہ
آخرت میں اس کا بڑا ثواب ہے''۔

فائدہ

لَا تَتَوَسَّدُوْا: اے قرآن پڑھنے والو! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ کہ اس پر سر رکھ کر سو جاؤ یا لیٹ کر آرام کرو۔

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ قرآن پر سہارا دے کر بیٹھنا یا لیٹنا، اس کی طرف پاؤں کرنا، اس پر کوئی چیز رکھنا اس کی طرف پیٹھ کرنا، اس کو روندنا اور اس کو زمین پر پھینکنا یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ آج کل عام عرب قرآن کے احترام میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے تورات کے نسخے کا احترام کیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد جلد دوم کتاب الحدود باب رجم الیہود ص ۲۵۵ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تورات کو زمین پر نہیں رکھا بلکہ نیچے سے تکیہ اٹھا کر اس پر تورات رکھ دی، حدیث کا عربی متن اس طرح ہے۔

ثم قال ائتونی بالتوراۃ فاتی بھا فنزع الوسادۃ من تحتہ و وضع التوراۃ علیھا وفی روایۃ ووضع الوسادۃ تعظیما لکتاب اللہ و قال امنت بک و بمن انزلک.(ص ۲۵۵)

حَقَّ تِلَاوَتِہٖ: یعنی جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے قرآن کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے حروف کی تصحیح کی جائے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اس کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور اس کی تفسیر کو سمجھا جائے۔

وَاَفْشُوْہُ: یعنی درس وتدریس کے ذریعہ سے اس کو عام کرو، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عظیم کو عام کرنا علماء اور مدارس کا کام ہے۔ وافشوہ ،افشا عام کرنے کے معنی میں ہے۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے قرآن کا عام کرنا مراد ہے ظاہر ہے یہ کام قرآن عظیم کے مکاتب یا مدارس یا جید علماء کے مواعظ اور مجالس میں ہوتا ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم کے مکاتب اور اس کے مدرسوں کو عام کریں ناظرہ ترجمہ اور حفظ وتجوید کا انتظام کریں۔

قرآن مجید کے بارے میں دشمنوں کی گواہی

جرمنی میں میونخ یونیورسٹی کا ایک مذہبی شعبہ ''ڈیپارٹمنٹ آف تھیالوجی'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کے پروفیسروں نے بہت ساری رقم مختص کروائی تا کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں سے مسلمانوں کی کتاب (قرآن مجید) کو اکٹھا کر کے دیکھیں کہ ان میں کوئی فرق تو نہیں۔ چنانچہ پوری دنیا کے مختلف علاقوں سے قرآن پاک کے چالیس ہزار نسخے اکٹھے کیے گئے اور ان سب نسخوں کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطے کو جب آپس میں ملایا گیا تو کہیں بھی فرق نہ نکلا۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (سورۃ الحجر : ۹)

''اس نصیحت نامے کو ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔''

قرآن مجید محفوظ ترین کتاب

جس طرح خدا کا کلام محفوظ ہے اسی طرح جس زبان میں یہ اترا وہ زبان بھی آج تک محفوظ ہے۔ جب قرآن اترا تھا اس وقت صرف

ایک ملک کی زبان عربی تھی اور آج 21 ممالک کی زبان عربی ہے۔ وہ زبان بھی زندہ، وہ کتاب بھی زندہ اور اس پر عمل کرنے والی قوم بھی زندہ۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام کے دامن میں محفوظ آسمانی کتاب آج بھی موجود ہے۔ جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس آسمانی کتابیں موجود نہیں فقط ان کتابوں کے تحریف شدہ انگریزی ترجمے موجود ہیں۔

تلاوت! مستقل عبادت ہے

قرآن کریم کے الفاظ اگر بے سمجھے بھی پڑھے جائیں تو بیکار نہیں، بلکہ موجبِ ثواب عظیم ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ جب تک قرآن کریم کے الفاظ کے معانی نہ سمجھے طوطے کی طرح اس کے الفاظ پڑھنا فضول ہے، یہ میں اس لئے واضح کر رہا ہوں کہ آج کل بہت سے حضرات قرآن کریم کو دوسری کتابوں پر قیاس کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کسی کتاب کے معنی نہ سمجھیں تو اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا وقت ضائع کرنا ہے، مگر قرآن کریم کے بارے میں ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے، جس طرح قرآن کے معانی کا سمجھنا اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت

ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی ایک مستقل عبادت اور ثواب عظیم ہے۔

خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرب حاصل ہو کیا چیز ہے ارشاد ہوا کہ احمد! میرا کلام ہے، میں نے عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے، ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے، دونوں طرح موجب تقرب ہے۔

بچے کو ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کی فضیلت

اگر والدین نے بچے کو قرآن پاک پڑھانے کیلئے بھیجا حتیٰ کہ وہ بچہ قرآن پاک ناظرہ پڑھ گیا تو جس لمحے وہ ناظرہ قرآن پاک مکمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسی وقت اس کے ماں باپ کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

نام الٰہی کی برکت سے عذابِ قبر سے نجات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبرستان پر گذر ہوا، آپ نے دیکھا کہ ایک مردے پر قبر میں عذاب کے فرشتے مسلط ہیں اور اس کو

سخت عذاب ہو رہا ہے، آپ آگے چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آئے، آپ نے دیکھا کہ اس مردے کے پاس قبر میں رحمت کے فرشتے ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ موجود ہیں اور وہ نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا آپ نے نماز پڑھ کر اللہ سے دعا مانگی کہ اصل حقیقت کھول دے، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر بتا دیا کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہگار تھا جب مر گیا تو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہو گیا مرتے وقت اس نے حاملہ بیوی چھوڑی تھی جس کا بعد میں بچہ پیدا ہوا اس عورت نے اپنے بچے کو پالا جب بچہ بڑا ہو گیا تو اس کی ماں نے اسے معلم کے پاس بھیج دیا۔ معلم نے اس سے کہا پڑھ بیٹا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" بچے نے پڑھ لیا تو مجھے حیائی آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دے رہا ہوں اور اس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے۔ (یعنی معصوم زبان سے کہتا ہے کہ اللہ بڑا مہربان ہے اور بے حد رحم کرنے والا ہے اور اس کے باپ کو عذاب میں رکھوں یہ نہیں ہوگا)۔

فتنوں سے بچاؤ کا ذریعہ قرآن ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ ان سے خلاصی کی کیا

صورت ہے انہوں نے فرمایا کہ قرآن شریف۔

کتاب اللہ پرعمل فتنوں سے بچنے کا کفیل ہے اور اس کی تلاوت بھی فتنوں سے خلاصی کا سبب ہے۔حضرت علی ﷜ کی روایت میں وارد ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو اپنے کلام کے پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اپنے قلعہ میں محفوظ ہو اور اس کی طرف کوئی دشمن متوجہ ہو کہ جس جانب سے بھی وہ حملہ کرنا چاہے اسی جانب میں اللہ کے کلام کو اس کا محافظ پائے گا اور وہ اس شخص کو دفع کردے گا۔

آج ہر طرف مادیات، مال ودولت، حب جاہ، حب مال کے فتنے، عقائد کے فتنے، بے دینی کا پھیلاؤ، شرک و بدعات و رسومات کا رواج ہے اس کی واحد وجہ قرآن پاک کا چھوڑنا ہے اگر قرآن پاک کو اپنایا جائے تو ہر قسم کے فتنے، حوادث وعذابات ختم ہو جائیں گے۔

قرآن رفعت وعظمت کا ضامن

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن
پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند کرتا ہے اور
کتنے ہی لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔"

یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، عمل کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ ان کو دنیا وآخرت میں رفعت وعزت عطا فرماتے ہیں اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے حق سبحانہ وتقدس ان کو ذلیل کرتے ہیں کلام اللہ شریف کی آیات سے بھی یہ مضمون ثابت ہوتا ہے ایک جگہ ارشاد ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا. (البقرة: ۲۶)

حق تعالیٰ شانہٗ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ، دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا. (بنی
اسرائیل: ۸۲)

"اور ہم وہ قرآن نازل کررہے ہیں جو مومنوں کے
لئے شفاء اور رحمت کا سامان ہے۔ البتہ ظالموں کے
حصے میں اس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ
نہیں ہوتا۔"

عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن عبدالحارث رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا، ان سے ایک دفعہ دریافت فرمایا کہ جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ابن اَبزیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابن اَبزیٰ رضی اللہ عنہ کون شخص ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراضاً فرمایا کہ غلام کو امیر کیوں بنا دیا؟ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔

قرآن میں ریاکاری اور شہرت سے اجتناب

عَنْ جَابِرٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَفِيْنَا الْأَعْرَابِيُّ وَالْأَعْجَمِيُّ فَقَالَ اقْرَأُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ.

(رواه ابوداود والبيهقي في شعب الايمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف لائے جب کہ ہم قرآن کریم پڑھ رہے تھے ہم میں دیہاتی

لوگ بھی تھے اور عجمی بھی تھے آپ نے ہم سے فرمایا
کہ: ''پڑھو، تم میں سے ہر شخص اچھا پڑھتا ہے
(یادرکھو) ایک ایسی جماعت پیدا ہونے والی ہے
جس کے افراد قرآن کریم کو اس طرح سیدھا کریں
گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے اور اس کا بدلہ
جلدی (دنیا ہی میں) حاصل کرنا چاہیں گے آخرت
کیلئے کچھ نہ چھوڑیں گے''۔

فائدہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں صحابہ بیٹھے ہوئے تھے وہاں ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی اور کچھ غیر عرب تھے جو تمام قواعد کے ساتھ قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب پڑھو سب کی قرأت اچھی ہے کیونکہ غرض آخرت ہے تم نے اگرچہ قرأت میں اپنی زبانوں اور اپنی آوازوں کو آراستہ نہیں کیا ہے مگر اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں تمہارے بعد کچھ لوگ آئیں گے جس کے افراد قرآن کو ایسا سیدھا کر کے پڑھیں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو اور قرآنی کلمات کو مختلف قرائتوں کے ساتھ خوب سنواریں گے اور مخارج کی

ادائیگی میں خوب محنت کر کے بہت زیادہ تکلف کریں گے۔ لیکن ان کی یہ سعی آخرت کے لئے نہیں ہوگی بلکہ ساری سعی اپنی شہرت، اپنی عزت، فخر ومباہات اور دنیا کو دکھانے سنانے کے لئے ہوگی اس پر مزید یہ کہ وہ سر سے لے کر پاؤں تک تکبر وغرور میں ڈوبے پڑے ہوں گے ان تمام نقائص کے ساتھ ساتھ وہ لوگ معاوضہ بھی وصول کرتے ہوں گے۔ ایسے ہی لفاظی کرنے والوں اور آخرت کو بھلانے والوں کے بارہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یتعجلونہ ولا یتأجلونہ یعنی جلدی جلدی ثواب کا معاوضہ لے کر کھائیں گے اور آخرت کے ثواب کا خیال ہی نہیں کریں گے۔

خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین۔

حضور ﷺ کا دوسرے سے قرآن سننا

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ اِقْرَأْ عَلَیَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَیْکَ وَعَلَیْکَ أُنْزِلَ قَالَ اِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَیْرِیْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰی أَتَیْتُ اِلٰی هٰذِهِ الْاٰیَةِ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ

وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰؤُلاءِ شَهِيدًا قَالَ حَسْبُکَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

(متفق علیه)

''اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ آپ ﷺ منبر پر تھے مجھ سے فرمایا کہ: ''میرے سامنے قرآن کریم پڑھو'' میں نے عرض کیا کہ: '' آپ ﷺ کے سامنے میں قرآن کریم پڑھوں حالانکہ قرآن کریم آپ پر اتارا گیا ہے''. آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں''، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پس میں نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''بس اب رک جاؤ'' پھر جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں بڑی مقدار میں آنسو بہا رہی ہیں''۔

فائدہ

اس حدیث میں پہلی تعلیم یہ ملی کہ چھوٹوں کو بڑوں کے سامنے ادب کا لحاظ رکھنا چاہیے، جس طرح حضرت ابن مسعودؓ نے یہی خیال کیا کہ: جب قرآن خود نبی مکرم پر اترا ہے وہی اس کا حقدار ہے کہ خود پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے اس کے سامنے قرآن سنانے کی جرأت کوئی شخص کیونکہ کرسکتا ہے۔ دوسری تعلیم یہ ملی کہ کبھی کبھی بڑوں کو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں سے قرآن سنیں اس میں فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن کے معانی ومطالب میں غور کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ تیسری تعلیم یہ ملی کہ جب قرآن کا ایک حصہ قاری پڑھ لے اور سامعین چاہیں کہ اب قاری قرأت بند کردے تو وہ ان کو کہہ سکتے ہیں کہ بس یہی کافی ہے۔

یہ نہ کہو کہ میں فلاں آیت بھول گیا

وعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَالِأَحَدِھِمْ أَنْ یَقُوْلَ نَسِیْتُ آیَۃَ کَیْتَ وَکَیْتَ بَلْ نُسِّیَ وَاسْتَذْکِرُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّہ أَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ.

(متفق علیہ وزاد مسلم بعقلِھَا)

''اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول
کریم ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے یہ بات بہت
بری ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا
بلکہ وہ اس طرح کہے کہ بھلا دیا گیا اور قرآن کریم
(برابر) یاد کرتے رہا کرو کیونکہ وہ لوگوں کے دل سے
جانوروں سے بھی جلد نکل جاتا ہے''۔

مسلم کی روایت میں لفظ بعقلها بھی ہے یعنی (ان جانوروں سے بھی
جلد) جو اپنی رسی میں بندھے ہوئے ہوں۔

فائدہ

نُسِّیَ : یہاں ایک ادب بتایا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن
کی کوئی سورت یا آیت بھول جائے تو وہ یہ نہ کہے کہ میں بھول گیا
بلکہ یوں کہے کہ میں بھلا دیا گیا، کیونکہ پہلی صورت میں یہ شخص اپنی
طرف بھلانے کی نسبت کرتا ہے جو درحقیقت اس عظیم دولت کی بے
ادبی اور اس میں کوتاہی و تقصیر کا اعتراف ہے بلکہ وہ یہ کہے کہ میں
بھلایا گیا جس میں تأسف و افسوس کی طرف اشارہ ہے کہ میں تو
بھولنا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھ سے بھلایا گیا۔

قرآن ایک زندہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے تھے، لیکن قرآن کا معجزہ بعد وفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت میں باقی ہے، آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم و دانش کو للکار کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لا سکا نہ آج لا سکتا ہے، اور جس کو ہمت ہو پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ مفسر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزوں کے متعلق بحوالہ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہیں، ایک قرآن کا معجزہ، دوسرے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ ایامِ حج میں تینوں جمرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھر کوئی ان کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا، اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکری کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے، اس لئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے نئی کنکریاں لے کر آتا ہے، اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی

سال میں ٹیلہ لگ جاتا، جس میں جمرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں، تو اب اس جگہ صرف ان کم نصیبوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں، جن کا حج قبول نہیں ہوا، اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا، یہ روایت سنن بیہقی میں موجود ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی تصدیق ہر سال اور ہر زمانے میں ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہوتے ہیں، اور ہر شخص ہر جمرہ پر ہر روز سات سات کنکریاں پھینکتا ہے اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی، نہ اٹھائی جاتی ہیں، اور جیسا کہ زمانہ قدیم سے دستور چلا آیا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں، تو اگلے سال اس کا دوگنا اور تیسرے سال تگنا ہو جائے گا، پھر کیا شبہ ہے کہ چند سال میں یہ

حصہ زمین مع جمرات کے اُن کنکریوں میں چھپ جائے گا، اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے، مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے، اور یہ مشاہدہ ہر زمانے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، سنا ہے کہ اب یہاں سے کنکریاں اٹھانے کا کچھ انتظام ہونے لگا ہے، مگر تیرہ سو برس تک کا عمل بھی اس مضمون کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح معجزۂ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جاسکی، آج بھی نہیں کی جاسکتی۔

قرآن کی انقلابی تاثیر

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (الحشر)

’’اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اُسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رُعب سے جھکا جارہا ہے، اور پھٹا پڑتا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔‘‘

فائدہ

قرآن مجید کو صرف تعویذ دھاگے کے لیے یا برکت حاصل کرنے کے لئے بلا سوچے سمجھے پڑھنے کو ہی زندگی کا ماحصل قرار نہیں دینا چاہئے، بلکہ قرآن مجید ایک ایسی انقلابی کتاب ہے جس نے دلوں کی کایا پلٹ دی اور جو دل برسہا برس سے زنگ آلود ہو چکے تھے ان کو اس طرح قلعی کر دیا کہ پھر کوئی میل کچیل ان کے قریب نہ آسکی! قرآن مجید ایسی مؤثر اور دلوں میں حیرت انگیز انقلاب برپا کرنے والی کتاب ہے کہ اس کی تاثیر کو آج بھی آزمایا جا سکتا ہے اور ضرورت ہے کہ ہم قرآن کے وعظوں سے دنیا میں پھر ایک انقلابی اور صالح معاشرہ پیدا کردیں۔ کیونکہ قرآن میں آج بھی وہی معجزہ نما تاثیر موجود ہے جو آج سے پندرہ سو سال پہلے موجود تھی!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن نے زیر کرلیا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قریش کا جوشیلہ نوجوان جس مجلس میں پہنچ جاتا سب سے ممتاز رہتا۔ جس کی شجاعت، زور آوری، شہسواری تیراندازی اور بہادری کے ڈنکے پورے مکہ میں بجتے تھے! جو جسم اور دل دونوں کا مضبوط تھا لیکن جو واقعہ میں عرض کر رہا ہوں وہ ان دنوں کا ہے جب وہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔

ایک روز عمر رضی اللہ عنہ سرداران قریش کی میٹنگ میں اپنا یہ فیصلہ سناتا ہے کہ میں تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹ کر لائے دیتا ہوں۔ (معاذ اللہ)

اس ارادے سے گھر سے چل نکلا تو عجب اتفاق ہوا کہ راستہ ہی میں خبر ملی کہ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ اسی غصہ کے عالم میں بہن کے گھر پہنچے اور ان دونوں کو شدید طور پر اس قدر مارا کہ لہولہان کر دیا۔ مارتے مارتے تھک گئے، مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروانوں کے دلوں سے توحید و رسالت کا خمار نہ نکال سکے! آخر حیرانگی سے کہا کہ اچھا اگر باز نہیں آتے تو وہ کلام سناؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کی تلاوت شروع فرمائی:

بسم الله الرحمن الرحیم

طٰهٰ. مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ وَاِنْ
تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَآ
اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ○ لَـهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ○

(سوره طٰه ۱،۶)

ترجمہ: طٰہٰ، ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا
کہ آپ تکلیف اٹھائیں، بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے
لئے جو ڈرتا ہے۔ نازل اس کی طرف سے ہوا ہے جس
نے پیدا کیا۔ زمین اور بلند آسمانوں کو وہ خدائے رحمٰن
عرش پر قائم ہے۔ اس کی ملکیت ہے جو کچھ بھی آسمانوں
اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان میں ہے اور جو
کچھ بھی زمین کے نیچے ہے! اور اگر تو پکار کر بات کہے
تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی
ہوئی کو جانتا ہے! وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود
نہیں۔ اچھے اچھے نام اسی کے ہیں۔"

بس قرآن کی ان آیات کا سننا تھا دل موم ہوگیا، قرآن دل میں اتر گیا۔ قرآن کی تاثیر اپنا کام کر گئی ساری شقاوت دور ہوگئی اور یوں دامن اسلام میں آگرے جیسے پکا پھل ٹوٹ کر گود میں آپڑتا ہے! کلام الٰہی سنتے ہیں تو چیخ پڑتے ہیں اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتے

ہیں اور سیلاب اشک سے دل میں کفر کی جو بھٹی دہک رہی تھی سرد پڑ گئی۔ قلب نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے اور سیدھے آستانہ نبوت پر جا کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں اور قرآن اپنی معجزانہ تاثیر سے عمر جیسے بہادر اور جرأت کے کوہ گراں کو زیر کر لیتا ہے۔

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ پر قرآن کا اثر

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ جو اپنے قبیلے کے سربرآوردہ شخص تھے، شعر وادب سے لگاؤ تھا۔ نئے دین کا شہرہ سنا تو تماشا دیکھنے کے لئے مکہ چلے آئے۔ مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں کے لوگ چمٹ گئے اور کہنے لگے تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لئے ہم تمہیں آگاہ کرتے ہیں کہ یہاں ایک شخص محمد ﷺ نامی رہتے ہیں، ان کے قریب نہ جانا، اس شخص نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے۔ معلوم نہیں اس کی زبان میں کیا جادو ہے جس کے ذریعے بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائے۔ اس لئے تم اس سے نہ ملو اور نہ ہی اس کی بات سنو۔ پہلے تو یہ قریش کی باتوں میں آگئے اور کانوں میں روئی

ٹھونستے پھرتے تھے کہ مبادا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز کانوں میں پڑ جائے !

لیکن تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

''کبھی بندے کی تدبیر اور منصوبوں پر تقدیر ہنستی رہتی ہے۔''

خدا کا کرنا یوں ہوا کہ ایک دن حرم شریف میں چلے گئے تو وہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ قرآن کی آواز جوں ہی طفیل دوسی کے کانوں میں پڑی وہ دم بخود ہو کر جہاں کھڑے تھے، وہیں کھڑے رہ گئے۔ دیر تک قرآن سنتے رہے، قرآن کے الفاظ کیا تھے، بجلیاں تھیں، جنہوں نے دل کے خرمن کفر کو بھسم کر کے رکھ دیا تھا۔

دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کر کے جا رہے ہیں، یہ بھی ساتھ ہو لئے، آپ کے ساتھ آپ کی قیام گاہ تک پہنچے۔

اور اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دامن رسالت کیساتھ وابستہ کر لیا۔ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ مذہب میں نے کوئی دیکھا۔

جس سردار قبیلہ کو اپنی عظمت و وقار پر ناز تھا قرآن کی ایک ہی تجلی نے اسے دامن نبوت سے وابستہ کر دیا۔

قرآن کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی برتری

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ سال کی تھی اور چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی۔ پھر اُحد کی لڑائی میں نکلے مگر واپس کر دیئے گئے بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ سمرہؓ اور رافعؓ دونوں کو اجازت ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کو بھی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ عمار رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہ ناراضی پیش آئی۔ دریافت کیا: یا رسول اللہ: میری کوئی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ بات نہیں بلکہ زید رضی اللہ عنہ قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کر دیا۔

فائدہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح فرماتے تھے۔ یہاں اگرچہ لڑائی کا موقعہ تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اٹھانے میں ان کو مقدم فرمایا۔ اکثر چیزوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا لحاظ فرماتے تھے۔

حتیٰ کہ اگر کئی آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی جیسے شہداء احد کی اجتماعی تدفین کی گئی، تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا، اس کو مقدم فرماتے تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سعادت

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: "کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "ہاں"

حضرت ابی ﷺ نے کہا کہ: ''دونوں جہان کے پروردگار کے ہاں میرا ذکر کیا گیا؟'' آپ نے فرمایا کہ: ''ہاں'' (یہ سنتے ہی) حضرت ابی ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے''۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی ﷺ سے فرمایا کہ:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۂ لم یکن الذین کفروا پڑھوں''۔

حضرت اُبی نے عرض کیا کہ:

''کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہاں'' (یہ سنتے ہی) حضرت ابی بن کعب ﷺ رو پڑے۔''

آدابِ تلاوتِ قرآن

قرآن مجید' اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے' جو اللہ نے اپنے حبیب لبیب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اسے رب کا کلام ہونے کی وجہ سے سب کلاموں پر وہ فضیلت و برتری وعظمت و رفعت حاصل ہے' جسے

بیان نہیں کیا جا سکتا۔ فضیلت قرآن میں بکثرت احادیث موجود ہیں، (جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیے گئے)۔ قرآن مجید کے ساتھ مومنین محبت رکھتے ہیں اور تلاوت کرتے ہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت باعث اجر وخیر و برکت ہے اور اس کے احکامات وتعلیمات پر عمل کرنا' دنیاوی کامیابی واخروی نجات کا ضامن ہے۔ ایک مومن کے لئے اس کے بغیر زندگی گزارنا سراسر نقصان ہے۔

دوران تلاوت ہم بہت ساری کوتاہیوں و خامیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جو نہیں ہونی چاہئے مثلاً ننگے سر تلاوت کرنا' ادب کے ساتھ نہ بیٹھنا' بلاوجہ ٹیک لگا کر تلاوت کرنا' وہ تکیہ یا سرہانہ جس پر گھر میں بچے پاؤں رکھتے ہیں' اس پر قرآن مجید رکھنا' دوران تلاوت گفتگو کرتے رہنا' عدم توجہ اور بغیر سمجھے زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرنا' قرآن کے معانی میں غور وفکر نہ کرنا وغیرہ۔ بعض اوقات لاعلمی اور بعض اوقات بے پروائی کی وجہ سے قرآن مجید کے ان حقوق وآداب کو پورا نہیں کر پاتے۔ ایسی تعظیم وتکریم نہیں کرتے جو ہمیں بہر حال کرنی چاہئے۔

اس غرض کے پیش نظر ذیل کی سطور میں چند آداب قرآن کے تلاوت کے ذکر کئے جاتے ہیں جو امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے مقدمہ تفسیر میں اور حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں آداب تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں ذکر کئے ہیں، فرمائے ہیں:۔

☆ قرآن مجید کو طہارت (یعنی وضو) کے بغیر نہ چھوا جائے۔

☆ قرآن کی حرمت یہ ہے کہ اسے طہارت (یعنی وضو) کے ساتھ پڑھا جائے۔

☆ قاری' مسواک کر کے منہ صاف کرے تاکہ منہ پاک و صاف ہو جائے کیونکہ یہی منہ تلاوت قرآن کا راستہ ہے۔ حضرت یزید بن ابی مالکؒ نے فرمایا کہ تمہارے منہ' قرآن کے راستے ہیں۔ لہٰذا جتنا ممکن ہو انہیں پاک و صاف رکھو۔

☆ جس طرح امیر کے پاس جاتے وقت اچھا لباس پہنا جاتا ہے۔ اسی طرح تلاوت کے وقت اچھا لباس زیب تن کیا جائے کیونکہ پڑھنے والا اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔

☆ تلاوت کے وقت قبلہ رخ ہو کر بیٹھے۔ حضرت ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ جب تلاوت کرتے تو عمامہ باندھتے' اچھا لباس پہنتے اور قبلہ

رخ ہو کر بیٹھے۔

☆ جب کبھی کھانسی آئے اور منہ سے بلغم وغیرہ خارج ہو تو کلی کرے‘ شعبہ نے ابی حمزہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دوران تلاوت ان کے پاس تو (ایک قسم کا چھوٹا برتن) ہوتا۔ جب بھی کھانستے تو کلی کرتے‘ پھر تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

☆ جب جمائی آئے تو تلاوت روک دے کیونکہ قاری دوران تلاوت اپنے رب سے ہم کلام و مخاطب ہوتا ہے اور تثاؤب (جمائی) شیطان کا اثر ہے مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تجھے جمائی آئے تو تعظیم کے لئے تلاوت روک دے۔ یہاں تک کہ جمائی ختم ہو جائے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ اس طرح کرنے میں قرآن مجید کا ادب و تعظیم ہے۔

☆ دوران تلاوت بلا ضرورت لوگوں کے ساتھ کلام نہ کرے۔

☆ علیحدگی میں ایسی جگہ تلاوت کرے‘ جہاں کوئی نہ ہو کہ اس سے کلام کرنے اور جواب دینے کا امکان نہ رہے۔

☆ محبت کے ساتھ اور ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے۔

☆ دوران تلاوت اپنے ذہن و فہم کو بھی حاضر رکھے تا کہ جن

امور کے لئے وہ مخاطب ہے انہیں سمجھ سکے۔

☆ آیتِ بشارت پر رک جائے' اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کا فضل طلب کرے۔ اسی طرح آیتِ وعید (ڈرانے والی) پر رک جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے عذاب سے پناہ طلب کرے۔

☆ قرآن میں جو مثالیں بیان کی گئی ہیں' وہاں پر رک جائے اور ان سے عبرت حاصل کرے یعنی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ کہیں ان کا مصداق وہ خود تو نہیں بن رہا۔

☆ ہر حرف کا حق ادا کرے۔ یعنی صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کرے تاکہ ٹھیک طریقے سے تلفظ ادا ہو کیونکہ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں۔

☆ جب تلاوت ختم کرے تو اپنے رب کی تصدیق کرے' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے (اللہ کا پیغام) پہنچانے کی گواہی دے اور اس طرح کہے:

صَدَقتَ رَبّنا وَبَلَّغتُ رُسُلکَ وَنَحنُ علٰی
ذٰلِکَ مِن الشاهِدِينَ' اَللّٰهُمَّ اجعَلْنَا مِنَ شُهَدَاءِ
الحَقِّ القائِمِينَ بِالقِسطِ.

پھر دعا مانگے:

☆ مختلف سورتوں سے مختلف آیات چن چن کر نہ پڑھے کیونکہ روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے آپ (رضی اللہ عنہ) ہر سورہ سے کچھ حصہ پڑھتے جاتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پوری سورت پڑھا کرو او کما قال علیہ السلام.

☆ جب کلام پاک رکھے تو کھلا نہ چھوڑے بلکہ بند کر کے غلاف چڑھا دے۔

☆ کسی قسم کی کتابیں چاہے علمی ہوں یا غیر علمی قرآن مجید کے اوپر نہ رکھے بلکہ ہمیشہ قرآن پاک سب کتب کے اوپر رکھے تاکہ قرآن کی عظمت کا اظہار ہو۔

☆ دوران تلاوت قرآن پاک زمین پر نہ رکھے بلکہ اپنی گود میں یا کسی دوسری چیز مثلاً رحل پر رکھ کر پڑھے۔

☆ لکھے ہوئے قرآن کو تھوک سے صاف نہ کرے بلکہ ضرورت ہو تو پانی سے دھوئے۔

☆ جب دھوئے تو دھوون کو ناپاک جگہ پر نہ بہائے نہ ایسی جگہ پر جہاں لوگوں کا گزر ہو کیونکہ اس (غسالہ) دھوون کی بھی عزت و حرمت ہے۔ اسلاف میں سے بعض تو اس دھوون سے شفاء حاصل

کرتے ہیں۔

☆ قرآن مجید کے اوراق جب بوسیدہ ہو جائیں تو انہیں دیگر کتب کا کور نہ بنایا جائے کیونکہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

☆ روزانہ کم از کم ایک مرتبہ مصحف شریف کو دیکھے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے حیا آتی ہے کہ میں جب روزانہ اپنے رب کے عہد نامہ میں نظر نہ کروں۔

☆ ادب یہ ہے کہ قرآن مجید سے اپنی آنکھوں کو بہرہ ور کرتا رہے کیونکہ آنکھ نفس تک پہنچتی ہے، قرآن سینے میں ہوتا ہے۔ نفس اور سینے کے درمیان حجاب ہے۔ جب زبانی پڑھے گا تو کان سنے گا اور نفس تک پہنچائے گا اور جب دیکھ کر پڑھے گا تو آنکھ اور کان دونوں اس حق کی ادائیگی میں شریک ہوں گے۔ اس طرح قرآن کے حق کی ادائیگی بہتر طریقے سے ہوگی اور کان کی طرح، آنکھ بھی خیر و برکت حاصل کرے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْطُوْا اَعْيُنَكُمْ حَظَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ.

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی آنکھوں کو

عبادت کا حصہ دو۔"

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عبادت میں آنکھوں کا حصہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اَلنَّظْرُ فِی الْمُصْحَفِ وَالتَّفَكُّرُ فِیْهِ وَالِاعْتِبَارُ عِنْدَ عَجَائِبِهٖ کہ مصحف (قرآن مجید) میں نظر کرنا، اس میں غور وفکر کرنا اور اس کے عجائب سے نصیحت کرنا۔"

"مکحول نے حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ قِرَأَةُ الْقُرْآنِ نَظْرًا (میری امت کی بہترین عبادت دیکھ کر قرآن پڑھنا ہے۔)"

☆ جب کوئی دنیاوی کام پیش آئے تو قرآن کی تاویل نہ کرے یعنی قرآن کو بطور مثال ومقولہ پیش نہ کرے۔ حضرت مغیرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کسی دنیاوی کام کے وقت قرآن کو تاویل (مثال) کے طور پر ذکر کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور تاویل اس طرح ہوتی ہے مثلاً آپ کے پاس جب کوئی آئے تو اسے کہیں جئت علیٰ قدر یا موسیٰ (تو ایک ٹھہرائے ہوئے وعدہ پر

حاضر ہوا ہے اے موسیٰ) یعنی اس کی آمد پر قرآن کی آیت پڑھیں یا مثلاً کھانا حاضر ہونے کے وقت یہ آیت کریمہ پڑھنا:

کلوا و اشربو ھنیئا بِماأ سلفتم فِی الایام الخَالِیۃِ

''کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گذشتہ دنوں میں''

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی آیت کریمہ:

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنٌ.

کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ لوگ آپس میں متارکت (ایک دوسرے سے قطع تعلق) کے وقت یہ آیت کریمہ پڑھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے)۔

☆ قرآن کو منکوس یعنی الٹا نہ پڑھا جائے جس طرح کہ بچوں کے معلمین کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصود اپنی قابلیت و مہارت دکھانا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ وہ الٹا قرآن بھی پڑھ سکتے ہیں ایسا کرنا' دین کی مخالفت ہے۔

☆ قرآن پاک گانے کے طرز پر نہ پڑھے جس طرح فساق گانے والوں کی طرز ہوتی ہے' اسی طرح نصاریٰ کی ترجیع اور رھبانیۃ

کے نوحہ کی طرح بھی نہ پڑھے یہ سب کج روی ہے۔

☆ جب قرآن حکیم کی کتابت کرے تو بڑی تختی میں لکھے۔ ابی حکیمہ کہتے ہیں کہ وہ کوفہ میں مصاحف لکھتے تھے تو ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ میری کتابت کو دیکھا تو فرمایا اپنے قلم کی نوک کو بڑا کرو۔ تو میں نے اپنا قلم لیا اسے ایک طرف سے کاٹا' پھر لکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے میری کتابت کو دیکھ رہے تھے۔ فرمایا۔ اب ٹھیک ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نور بنایا ہے' تم بھی اسے عظمت والی حیثیت میں رکھو۔

☆ جب دوسرا آدمی سننے کیلئے تیار نہ ہو تو جہر (بلند آواز) کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ سننے والے کو ناگوار گزرے گا اور وہ بغض ونفرت کا اظہار کرے گا۔ یا دل میں کلام اللہ کے سننے سے نفرت ہوگی جو بری بات ہے' اس لئے دوسروں کے گناہ کا سبب نہیں بننا چاہئے۔

☆ مختلف قرأت کے سلسلے میں دوسرے سے مجادلہ نہ کرے۔ اس طرح اپنی برتری کا اظہار نہ کرے۔ دوسرے سے یہ نہ کہے کہ جس طرح آپ پڑھتے ہیں اس طرح ٹھیک نہیں ہے۔

ممکن ہے وہ قرأت صحیح و جائز ہو اور اسے درست نہ ماننے سے قرآن کا انکار لازم آئے۔

☆ قرآن مجید بازاروں میں نہ پڑھے نہ لھو ولعب کی جگہ اور نہ بیوقوفوں کے مجمع میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب عباد الرحمٰن کا ذکر فرمایا تو اس بات پر ان کی تعریف فرمائی کہ جب وہ لہو ولعب ولغو کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں یہ تو لہو ولعب کے پاس سے اپنے گزرنے کا معاملہ ہے اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل لغو و ناسمجھ لوگوں کے مجمع میں تلاوت کرنا کتنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

☆ مصحف شریف کو تکیہ بنا کر ٹیک نہ لگائے۔

☆ جب کسی کو قرآن پاک دینے لگے تو پھینکنے کے انداز میں نہ دے جیسے عام چیزوں واشیاء کو دوسرے کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔

☆ قرآن مجید کو لکھتے وقت سائز چھوٹا نہ بنائے۔ اعمش نے ابراہیم سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا

لایصغر المصحف کہ قرآن کا سائز چھوٹا نہ بنایا جائے۔

(علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں) کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی بندے کے ہاتھ میں چھوٹے سائز کا قرآن دیکھا تو فرمایا یہ کس نے لکھا؟ اس آدمی نے کہا کہ میں نے لکھا ہے۔تو آپ نے اسے درے سے مارا اور فرمایا:

عظموا القرآن (قرآن کی تعظیم وتکریم کرو)۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد و مصحف کو اسم تصغیر کے ساتھ (جو کسی چیز کے چھوٹے پن پر دلالت کرتا ہے) بولنے سے منع فرمایا یعنی مُسَیْجِد و مُصَیْحِف کہنے سے۔

☆ غیر قرآن کو قرآن میں نہ ملائے۔

☆ قرآن مجید کو نہ سونے کے پانی کے ساتھ لکھے اور نہ ہی سونے سے محلی (مزین) کرے (کیونکہ سونا دنیا کی زینت ہے۔قرآن کو دنیا کی زینت سے مخلوط نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام دنیا کی زینت کا محتاج نہیں۔مغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ مصحف شریف کو سونے کے ساتھ لکھنے، سونے سے مزین کرنے یا آیات کی ابتداء میں سنہری نشان لگانے اور چھوٹے سائز میں لکھنے کو مکروہ جانتے تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا زخر فتم مساجد کم و حلیتم مصاحفکم فادبار علیکم

''جب تم مساجد کو نقش و نگار کرنے لگو اور قرآن مجید کو سونے چاندی سے مزین کرنے لگو تو تم پر ہلاکت آئے گی۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک قرآن مجید دیکھا' جسے چاندی سے مزین کیا گیا تھا تو فرمایا تم چور کو قرآن مجید چوری کرنے کی رغبت دلاتے ہو۔ قرآن کی زینت و حسن اس کے اندر ہے۔

☆ قرآن شریف کو زمین پر یا دیوار پر نہ لکھے۔

جیسا کہ نئی مساجد میں کیا جاتا ہے (معلوم ہوا مساجد کی دیواروں پر قرآن مجید لکھنا پرانی بدعت ہے جو آج بھی جاری ہے بلکہ کئی قدم آگے ہے)۔

محمد بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' زمین پر پڑی ہوئی کتاب کے قریب سے گزرے تو قبیلہ ہذیل کے جوان سے

فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کتاب اللہ کا حصہ ہے جسے ایک یہودی نے لکھا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ فَعَلَ ھٰذَا لَا تَضَعُوْا کِتَابَ اللّٰہِ اِلَّا مَوْضِعَہٗ

''ایسا کرنے والے پر اللہ لعنت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنے مقام پر رکھا کرو۔ (یعنی بلند مقام پر رکھ کر احترام کرو) محمد بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ دیوار پر قرآن لکھ رہا تھا تو اسے مارا۔''

☆ جب کبھی بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک کی کتابت کو دھو کر پانی حاصل کرے تو اس پانی کو بیت الخلاء ناپاک جگہ نہ بہائے نہ ہی ایسی جگہ پر جہاں لوگوں کا گزر ہوتا ہو بلکہ زمین کے کسی ایسے کونے میں ڈالے جہاں آمد و رفت کا امکان نہ ہو یا کسی پاک جگہ پر گڑھا کھود کر کھڑا ہو جائے اور اپنے جسم پر پانی بہائے یا کسی بڑی نہر میں وہ پانی بہا دے۔

☆ جب بھی قرآن حکیم کی تلاوت مکمل کرے یعنی ختم

قرآن کی سعادت نصیب ہو تو وہیں پر چھوڑ نہ دے بلکہ دوبارہ شروع کر دے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید کی تلاوت مکمل فرماتے تو ابتداء سے تقریباً پانچ آیات تلاوت فرماتے تاکہ ایسا معلوم نہ ہو کہ ختم قرآن کے بعد اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا۔

عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟

قال: عَلَيْكَ بِالْحَالِ الْمُرْتَحِلُ تو انہوں نے عرض کیا وَمَا الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ کہ اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ کیا ہے؟

تو آپ نے فرمایا صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِهٖ حتّٰى يَبلُغُ اٰخِرَهٗ ثُمَّ يَضْرِبُ فِيْ اَوَّلِهٖ كُلَّمَا حَلَّ اِرْتَحَلَ کہ قرآن پاک کا پڑھنے والا ابتداء سے شروع کر دیتا ہے۔

یہاں تک کہ آخر قرآن تک پہنچتا ہے۔ پھر شروع کر دیتا ہے۔ جب بھی آخر تک پہنچتا ہے' پھر شروع کر دیتا ہے۔ علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تلاوت کرنے کے لئے مستحب ہے

کہ ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کرے۔ امام ابوبکر الانباری بیان کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' جب ختم قرآن کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر لیتے اور دعا کرتے۔

اسی طرح حکیم کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد' عبدہ بن ابی لبابہ اور دوسرے لوگ قرآن شریف پڑھتے جب ختم کرنے لگتے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے اور ہمیں اپنے پاس بلا لیتے کیونکہ ختم قرآن کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم التیمی فرماتے ہیں کہ جس بندے نے ابتداء دن میں ختم قرآن کیا تو شام تک فرشتے اس پر درود (یعنی طلب دعا رحمت) پڑھتے رہتے ہیں جس نے رات کی ابتداء میں ختم قرآن کیا تو صبح تک فرشتے اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسی لئے ہمارے اسلاف ابتداء دن یا ابتدا رات کو قرآن کا ختم پسند کرتے تھے۔

☆ قرآن حکیم میں سے تعویذ بنا کر بیت الخلاء میں نہ جائے' البتہ اگر وہ تعویذ' چمڑے کے غلاف میں یا چاندی وغیرہ میں بند ہو تو کوئی

حرج نہیں کیونکہ پھر ایسا ہو جائے گا گویا تمہارے سینے میں ہے۔

☆ جب تعویذ کے لئے لکھے اور پئے تو ہر سانس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے اور اچھی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیت و اعتقاد کے مطابق عطا فرماتا ہے۔

لیث نے حضرت مجاہد تابعیؒ سے روایت کیا ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ لکھ کر مریض کو پلانے میں کچھ حرج نہیں۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کا دل سخت ہو جائے، وہ کسی پیالے میں زعفران کے ساتھ ''سورۃ یٰسین'' لکھ کر پیئے ان شاء اللہ دل کی سختی ختم ہو جائے گی۔

فائدہ: اگرچہ مذکورہ عمل جائز ہے لیکن اسے نزول قرآن کا مقصد سمجھ کر ساری عمر اسی کام میں نہیں لگا رہنا چاہئے بلکہ نزول قرآن کا جو اصل مقصد ہے یعنی قرآن سے نصیحت و ہدایت حاصل کرنا اور قرآنی تعلیمات و احکامات پر عمل کرنا، اس مقصد کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔

☆ سُورَۃٌ صَغِیرَۃٌ نہ کہا جائے۔ ابو العالیہ نے چھوٹی یا بڑی سورۃ کہنے کو مکروہ جانا ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ کلمہ سنتے تو

فرماتے تم اس سورۃ سے چھوٹے ہو قرآن تو سارے کا سارا عظیم ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بات اس روایت سے معارض ہے جسے امام داؤد نے حضرت شعیب سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ مفصل میں سے کوئی ایسی چھوٹی بڑی سورت نہیں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کی امامت کرتے ہوئے نماز میں نہ سنا ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں تلاوت کے دس ظاہری اور دس باطنی آداب بیان کئے ہیں۔ اگرچہ سب اپنی جگہ پر اہم اور قابل مطالعہ ہیں لیکن یہاں پر باطنی آداب میں سے صرف ایک ادب ذکر کیا جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کا ادب یہ ہے کہ قرأت میں تأمل، غور وفکر کیا جائے کیونکہ بعض اوقات تلاوت کرنے والا قرآن کے سوا دوسری چیز میں فکر تو نہیں کرتا لیکن قرآن صرف اپنی زبان سے پڑھتا ہے، اس کو سمجھتا نہیں حالانکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور وفکر کرنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ جس عبادت میں سمجھ نہ ہو'اس میں برکت نہیں ہوتی اور جس تلاوت میں غور وفکر نہ ہواس میں بہتری نہیں ہوتی ۔

اگر تلاوت کرنے والا دوبارہ پڑھے بغیر معنی میں غور وفکر نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ دوبارہ پڑھے لیکن امام کے پیچھے ایسا نہ کرے کیونکہ اگر یہ ایک آیت کو سوچتا رہے گا اور امام دوسری آیت میں مشغول ہو جائے گا تو برا کرے گا اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اس کے کان میں گفتگو کرے اور وہ ایک ہی لفظ میں غور کرنے لگ جائے اور باقی گفتگو کو نہ سمجھے اور یہی حال ہے کہ اگر امام رکوع میں ہو اور یہ اس کی پڑھی ہوئی آیت میں فکر کرتا رہے بلکہ جس رکن میں جائے اور جو کچھ پڑھے اسی کو سمجھے' دوسری بات میں سوچنا وسوسے میں شامل ہے' چنانچہ عامر بن عبد قیس سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا کہ مجھے نماز میں وسوسہ ہوا کرتا تھا۔

لوگوں نے کہا کیا دنیا کے معاملات کا وسوسہ ہوا کرتا ہے؟

تو فرمایا کہ دنیا کے وسوسوں سے تو میں اپنے حق میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ نیزوں کی بھالیں' میرے آر پار کر دی جائیں بلکہ

وسوسے کی صورت یہ ہے کہ میرا دل اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے میں لگ جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ یہاں سے کیسے پھروں تو دیکھو! انہوں نے اس کو بھی وسوسہ جانا اور حقیقت میں اس اعتبار سے وسوسہ ہے کہ بندہ جس رکن میں ہوتا ہے' اسے سمجھنے نہیں دیتا اور شیطان ایسے نیک لوگوں پر اس صورت کے بغیر قابو نہیں پا سکتا کہ انہیں کسی دینی ضرورت میں مشغول کردے اور نماز سے توجہ ہٹ جائے جو افضل بات ہے اس سے رک جائے۔

جب اس معاملے کا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا اگر تم ان کا یہ حال سچ کہتے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم پڑھی اور اسے بیس دفعہ دہرایا اتنی مرتبہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اس کے معانی میں فکر کرتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات ہمیں نماز پڑھائی، تمام رات ایک ہی آیت کو مکرر پڑھتے رہے۔

(رواہ النسائی وابن ماجہ)

آیتِ کریمہ یہ ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبادُكَ وَ اِنْ تغفر لَهُمْ

فانِكَ اَنت العزيزُ الحكيم

(سورة المائدة: ۱۱۸)

"اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو تو معاف کردے تو بلاشبہ تو غالب حکمت والا ہے اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے ایک رات اس آیت کو پڑھتے گزاردی۔"

اَم حَسِب الَّذِيْنَ اجتَرَحُوا السَّيات اَنْ نَّجْعَلَهُمْ

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَواءً

مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتهم سَاءَ مَايحكمون

''کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے
ہیں برائیوں کا کہ ہم بنادیں گے انہیں ان لوگوں کی
طرح جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ
یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا۔''

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کو پڑھتے پڑھتے صبح کردی:

وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ

(سورۃ یٰسین: ۵۹)

''اور اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ''

اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میں ایک سورۃ شروع کرتا ہوں تو اس میں بعض ایسی باتوں کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ صبح تک کھڑا رہتا ہوں اور وہ سورۃ پوری نہیں ہوتی اور کچھ بزرگ فرمایا کرتے کہ جتنی آیات کو میں نہیں سمجھتا دوران تلاوت ان میں میرا دل نہیں ہوتا اس تلاوت میں ثواب نہیں جانتا۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت پڑھتا ہوں تو چار پانچ

راتیں اسی میں گزر جاتی ہیں۔

اگر میں خود اس میں غور و فکر کرنا نہ چھوڑوں تو دوسری آیت پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ بعض اکابر سلف سے منقول ہے کہ وہ سورۃ ہود کو چھ ماہ مکرر پڑھتے رہے' اس میں فکر کرنے کی وجہ سے فرصت نہ ملی۔

بعض عارف فرماتے ہیں میرا ایک ختم قرآن تو ہفتہ وار ہے' ایک ہر مہینے میں' ایک ہر سال میں اور ایک وہ ہے کہ تیس سال سے میں نے شروع کیا ہے' ابھی تک فارغ نہیں ہوا۔ یعنی جس قدر غور و فکر زیادہ ہو' اس قدر ختم کی مدت بڑھ جاتی ہے۔ یہ بھی اسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے اپنے نفس کو مزدور کی طرح بنا رکھا ہے' اس لئے یومیہ پر بھی کام کرتا ہوں۔ ہفتہ وار بھی' ماہانہ بھی اور سالانہ کے طور پر بھی کرتا ہوں۔

(احیاء العلوم ج۔۱)

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں خلوص' غور و فکر

اور خلاصہ معانی آیات میں استغراق ہی کو اولیت حاصل ہونی چاہئے۔ صرف مخارج و الفاظ کی صحیح ادائیگی اور خوش آوازی و خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا ہی کچھ کام نہیں آئے گا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے کہ ہم قرآن کریم کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆